اردو کا کلاسیکی ادب

# فردوسِ بریں

مصنفہ

مولانا عبدالحلیم شررؔ لکھنوی

مرتبہ

سیّد وقار عظیم

مجلس ترقی ادب ۔ لاہور

فردوس بریں



طبع دوم : فروری ۱۹۶۷ء

تعداد : ۲۲۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیِ ادب ، لاہور

مطبع : مطبع عالیہ ، لاہور

مہتمم : سید اظہارالحسن رضوی

قیمت : چار روپے

بعونِ صنّاعِ مکین و مکان و بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان

۹

اُردو کا کلاسیکی ادب

# فردوسِ بریں

مصنّفہ

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

# فہرست

# مقدمہ

اردو میں ناول لکھ کر جن لوگوں کو شہرت اور قبول عام کی دولت ملی اُن میں صرف شرر ایسے ہیں جو مشہور ہونے اور قبول عام حاصل کرنے کے گر جانتے تھے، اور گر جاننے کے ساتھ ساتھ اس گر سے پورا کام لینے اور فائدہ اُٹھانے پر بھی قادر تھے۔ شرر کو یہ معلوم تھا کہ مشہور اور مقبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ فن کار عوام کی طرف نظر رکھے اور ان کی طرف نظر رکھ کر بات وہ کہے جو ان کی پسند کی ہے اور ایسے انداز میں کہے جو سیدھی اُن کے دل میں گھر کرے۔ چنانچہ شرر نے جو بہت سے ناول لکھے ان میں سے زیادہ تاریخی ہیں اور بقول شخصے 'اسلامی تاریخی' ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ 'اسلامی تاریخی' ناول تاریخی ہونے کے علاوہ 'عاشقانہ' ہیں۔ یہ دونوں باتیں عوام کے من بھاتے موضوع ہیں اور ان موضوعات کو شرر نے اپنی شاعرانہ انشا پردازی سے عوام کا من بھاتا کھاجا بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی فن کار کا یہ طرز عمل فن کی بارگاہ میں پسندیدہ نہیں ٹھہرتا؛ لیکن جو چیز شرر کو گناہ گاروں کی صف سے نکال کر بے گناہوں اور معصوموں میں شامل کر دیتی ہے اُن کا وہ مخلصانہ اعتراف ہے جو اُنھوں نے اپنی تاریخی ناول نگاری کے سلسلے میں کیا ہے۔

شرر نے تاریخی ناول لکھنے کی ابتدا ۱۸۸۸ع میں کی اور اُن کا پہلا تاریخی ناول 'ملک العزیز ورجنا' اسی سال قسط وار

'دلگداز' میں چھپا ۔ جب ناول ختم ہوا تو اس کے ساتھ شرر کا ایک نوٹ بھی چھپا ۔ یہ نوٹ اسلامی تاریخ کے ناولوں کے متعلق کئی حیثیتوں سے ان کے مقصد اور نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا ہے ۔ شرر لکھتے ہیں :

''غالباً اردو میں اپنی طرز کا یہ پہلا ناول ہے ۔ ہمارے مسلمان دوستوں نے اس ناول کو حد سے زیادہ پسند کیا ۔ اس ناول نے قوم اسلام کے وہ کارنامے دکھائے جو بجھے ہوئے جوشوں اور پژمردہ حوصلوں کو از سر نو زندہ کرسکتے ہیں . . . . ۔

''صلاح الدین ایوبی کے حالات سے مسلمان بہت کم واقف ہیں ۔ تاریخی حیثیت سے اُس کے حالات بتانا ہمارے دوست مولوی شبلی صاحب کا کام ہے جو اس کی سوانح عمری لکھنے کا بار اپنے سر لے چکے ہیں ، مگر ہم مختصراً اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی کسی قوم کو شخصی گورنمنٹ کی صورت میں ایسا بے نفس کوئی بادشاہ نہ ملا ہوگا جیسا سلطان صلاح الدین مسلمانوں کو ملا ہے — اسی سلطان صلاح الدین کا زمانہ اس ناول کا موضوع ہے ۔ اس ناول کو اسلامی پبلک نے شوق کے ہاتھوں لیا اور یک بیک ہندوستان میں ایسا شوق پیدا ہوگیا کہ ہم اسے مکرر چھپوا رہے ہیں . . . ۔

''ہمارے قدر افزا اور 'دلگداز' کے قدر دان گواہ ہیں کہ اس کا ہر ہر جملہ رگ حمیت اسلامی کو جوش میں لاتا تھا ۔ اور یقین ہے کہ وہ حضرات جنھوں نے

غور سے اور شوق سے اس ناول کو اول سے آخر تک ملاحظہ فرمایا ہوگا ، ان کے دلوں میں قومی خون جوش مار رہا ہوگا اور وہ ترقی پر تلے بیٹھے ہوں گے ۔''

شرر کی اس عبارت سے جو بدیہی نتیجے نکلتے ہیں یہ ہیں :

۱ - شرر نے یہ ناول مسلمانوں کے لیے لکھے اور اس غرض سے لکھے کہ انھیں پڑھ کر اُن کے 'بجھے ہوئے جوش' اور 'پژمردہ حوصلے' از سر نو زندہ ہوں ۔ اُن کے دلوں میں قومی خون جوش مارے اور وہ ترقی پر تل جائیں ۔

۲ - اس ناول کو 'اسلامی پبلک' نے (جس کے معنی مسلمان عوام ہیں) شوق کے ہاتھوں لیا ۔

یہ دو باتیں تو تاریخی ناولوں کے متعلق ہوئیں ، اب چند باتیں ایسی بھی سن لیجیے جو شرر نے مختلف اوقات میں 'ناول' اور اس کے فن کے متعلق کہی ہیں :

''یہ سب کو معلوم ہے کہ یہی ناول اور اسی طرح کے عاشقانہ مذاق کے ناول ہیں جنھوں نے یورپ کو اتنی ترقی دلائی اور گزشتہ یورپ کو موجودہ یورپ بنا دیا ۔

''یہ سب جانتے ہیں کہ ناول اسی قسم کا لٹریچر ہے جو انتہا سے زیادہ دل‌چسپ ہوتا ہے ۔ جس کے پڑھنے سے دماغ پر کسی قسم کا بار نہیں پڑتا ۔ اور دماغ کی تھکن مٹانے اور فرصت کے اوقات میں دل بہلانے کے لیے اس سے زیادہ موزوں کوئی لٹریچر نہیں ہوسکتا ۔

''اخلاقی تعلیم دینے کا اس سے زیادہ دلچسپ طریقہ آج تک دنیا کو معلوم نہیں ہوا اور ساری قوم نے تسلیم کرلیا ہے کہ ناول ہی اخلاق کے اصلی مصلح ہوسکتے ہیں۔

''ناول کے لیے سب سے مقدم یہ ہے کہ وہ انتہا سے زیادہ دلچسپ ہو، اور دلچسپی بغیر حسن و عشق کے بہت ہی کم آسکتی ہے۔

''برے اور بے مزہ ناولوں کا فیصلہ کرنے والے ہم آپ نہیں ہیں بلکہ اصلی فیصلہ کرنے والی پبلک ہے۔ جو خراب اور ناپسندیدہ ہوں گے وہ خود ہی مٹ جائیں گے۔''

ان اقتباسات سے یہ نتیجے نکالے جا سکتے ہیں کہ:

۱۔ ناول بلکہ عاشقانہ مذاق کے ناول ملکی ترقی اور اصلاح کا اصلی اور سب سے مؤثر وسیلہ ہیں۔

۲۔ ناول دماغ کی تھکن مٹانے اور فرصت کے اوقات میں دل بہلانے کے لیے پڑھا جاتا ہے (اور اس لیے گویا اس کے لکھے جانے کا یہی مقصد ہونا چاہیے)۔

۳۔ ناول میں دل‌چسپی حسن و عشق کے چٹخارے کے بغیر نہیں پیدا ہوتی۔

۴۔ ناول کے اچھے اور برے ہونے کا اصلی فیصلہ 'پبلک' (عوام) کرتی ہے۔

ان سب باتوں کو ملا کر پڑھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ شرر نے غدر کے تقریباً تیس برس بعد تاریخی ناول

اس لیے لکھے کہ مسلمانوں کے دلوں پر جو افسردگی طاری ہے وہ دور ہو ۔ اُن کے دلوں میں ایک تازہ جوش اور ولولہ پیدا ہو اور وہ بے دست و پا ہو کر بیٹھ جانے کے بجائے ترقی کی راہ پر گام زن ہوں ۔ ان تاریخی ناولوں کو ایک قومی مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ساتھ انہیں اتنا دل چسپ بنانا بھی ضروری سمجھا کہ وہ عوام کو پسند آئیں ۔ ناول پڑھتے وقت اُن کے دماغ کسی طرح کا بوجھ نہ محسوس کریں اور وہ فرصت کے اوقات میں اُن کے مطالعے کو دل بہلانے کا ایک مؤثر وسیلہ سمجھیں ۔ اور یہ کہ ناول میں دل چسپی اور تفریح کا یہ پہلو حسن و عشق کے ذکر کے بغیر پیدا ہونا ممکن نہیں ۔

ناول کے مقصد اور اس کے حدود کے متعلق یہ واضح اعلان کرنے کے بعد شرر جب تاریخی ناول لکھنے بیٹھتے ہیں تو تاریخی صحت کی طرف متوجہ ہونے کی ذمہ داری ”مولوی شبلی صاحب“ پر ڈال کر بات صرف وہ کہتے ہیں جو جوش اور ولولہ پیدا کرسکے ، قومی خون کو گرما سکے اور ترقی پر آمادہ کرسکے ۔ اور یہ تاریخی بات کہتے وقت اُس میں حسن و عشق کا پہلو بھی نکال لیتے ہیں کہ اس کے بغیر ناول میں دلچسپی نہیں پیدا ہوتی ۔ اور پھر سب سے زیادہ یہ کہ حسن و عشق کی داستان ایسے انداز میں سناتے ہیں کہ عوام اُسے سن کر پھڑک جائیں ۔ شرر کے تقریباً سب تاریخی ناول کم و بیش کے فرق کے ساتھ ، اسی مقصد اور اس مقصد کی ’فن کارانہ‘ مشق ستم کا نشانہ بنے ہیں ۔

کسی نے شرر سے پوچھا تھا کہ آپ کو اپنے تاریخی ناولوں میں سے کون سے ناول سب سے زیادہ پسند ہیں ؟ شرر نے اس سوال کے جواب میں فردوس بریں ، ملک العزیز ورجنا ، فلورا فلورنڈا ، فتح اندلس اور ایام عرب کا نام لیا تھا ۔ اور اس میں

شبہ نہیں کہ جہاں تک کہانی کی دلچسپی کا تعلق ہے یہ ناول اُن کے بہترین ناولوں میں سے ہیں ، گو اس نقطۂ نظر سے ان پانچ ناموں میں کچھ اور ناموں کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے - لیکن ایک بنیادی چیز جو شرر کی پسند اور انتخاب کے سلسلے میں لکھنے کی ہے یہ ہے کہ یہ سب ناول ہر لحاظ سے اُس معیار پر پورے اُترتے ہیں جو ناولوں اور خصوصاً تاریخی ناولوں کے متعلق شرر نے بنایا تھا - ان تاریخی ناولوں میں تاریخی صحت کی اہمیت کا احساس مفقود ہے اور واقعات میں اسی طرح کی ترمیم و تحریف جائز سمجھی گئی ہے جو دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے - تاریخی ناول تاریخی (یا یوں کہیے کہ نیم تاریخی) ہونے کے علاوہ حسن و عشق کی داستانیں بھی ہیں - اور ان سب ناولوں میں بات کہنے کا انداز اور اسلوب ایسا ہے جو عوام کو اپنی طرف متوجہ کرسکے اور جب وہ ناول پڑھنے کی طرف متوجہ ہو جائیں تو اُن کے شوق فراواں کی پوری تسکین کرسکے - شرر کی اس فنی روش کا جو اثر اُن کے سب تاریخی ناولوں کی طرح ان ناولوں پر بھی پڑا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ناول تاریخی ناول سے زیادہ مختصر داستانیں معلوم ہوتے ہیں - اور ان کے ہیرو ، جو تاریخ کی زندۂ جاوید ہستیاں ہیں ، ان قصوں میں آ کر بقول شخصے 'مردۂ ابد' بن کر رہ گئے ہیں - اُن کی شخصیتوں میں ایک طرف تو کردار کا فوق‌الفطری رنگ ہے کہ اُن پر فرشتہ ہونے کا گمان ہوتا ہے اور دوسری طرف محبت کے اظہار میں وہ عام انسانی سطح سے بھی پست نظر آتے ہیں - اپنی 'پبلک' کی خوشنودی کی خاطر وہ تاریخ کے دامن کو بھی داغ دار بنا دیتے ہیں اور تاریخی کرداروں کے دامن کو بھی - ان ناولوں کے کردار اکثر اوقات ایسی گفتگو کرتے سنائی دیتے

ہیں جو ان کی اصلی شخصیت سے مطابقت نہیں رکھتی - 'فردوس بریں' اس لحاظ سے اُن کا واحد ناول ہے جس میں نہ تاریخ کا سینہ داغ دار نظر آتا ہے اور نہ کسی تاریخی شخصیت کا دامن تار تار - فردوس بریں کے اس عیب سے بچے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ شرر نے اس ناول میں تاریخ کے جس واقعے کو قصے کا موضوع بنایا ہے اُس میں بجائے خود یہ صلاحیت موجود تھی کہ اُس میں زیب داستان کے لیے کچھ بڑھائے بغیر وہ آتار چڑھاؤ پیدا کیے جاسکیں جو قصے کو دل چسپ اور پر تاثیر بناتے ہیں -

فردوسِ بریں کے قصے کا موضوع فرقۂ باطنیہ کا وہ طوفان بلاخیز ہے جو پانچویں صدی میں دنیائے اسلام کے لیے ایک فتنہ بن کر آیا اور شباب کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر اُسی طرح ختم ہوا جیسے ہر طوفان ختم ہوتا ہے - اس طوفان کی بلندی دیدۂ حیرت کے لیے تماشا بن کر آئی اور اس کی پستی چشم عبرت کا سرمہ بن کر ظاہر ہوئی - اس تحریک کی بلندی و پستی میں اور اس کے بنائے ہوئے بعض طلسموں میں وہ سب امکانات پوشیدہ تھے جن کی قصہ گو کو حیرت و استعجاب اور اُمید و بیم کی کیفیتیں پیدا کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے ، اور اس لیے شرر کو تاریخ کی سچائی سے اُس انحراف کا مجرم نہیں بننا پڑا جو اُن کے فن کا جزو لازم سمجھا جاتا ہے——ایک دوسری بات یہ کہ اپنے مسلک کی رو سے اُنھیں حسن و عشق کا جو چٹخارا پیدا کرنا پڑتا ہے اُس سے تاریخی شخصیتوں کے اصلی رنگ و روپ میں فرق آ جاتا ہے اور ان کے لگائے ہوئے غازے سے اُن کے ہیرو اور کبھی کبھی ہیروئن کے رخ زیبا پر داغ دھبے پڑ جاتے ہیں - فردوس بریں کے واقعات اور ماحول میں شرر کو ایسے کردار نہیں ملے جنھیں وہ افسانۂ حسن و عشق کا مرکزی

کردار بناتے ۔ قصے کے اس لازمی عنصر کی تکمیل کے لیے انھوں نے تخیل سے مدد لی اور گوشت پوست کے دو ایسے کردار وضع کر لیے جنھوں نے وہ خدمت بڑی وفاداری اور دیانت داری سے انجام دی جو ان کے خالق نے ان کے سپرد کی تھی ۔

اختصار کے ساتھ فردوس بریں کا پلاٹ یہ ہے کہ آمل کا ایک نوجوان حسین اور اس کی ہونے والی رفیقۂ حیات حج کے ارادے سے گھر سے نکلتے ہیں اور چلتے چلتے وادیِ طالقان میں پہنچتے ہیں ۔ اس وادی میں پہنچ کر زمرد اپنے بھائی موسیٰ کی قبر تلاش کرتی ہے جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ پریوں کے ایک غول کے ہاتھوں مارا گیا ۔ قبر مل جاتی ہے اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد پریوں کا ایک غول نظر آتا ہے اور اسے دیکھ کر دونوں بے ہوش ہوجاتے ہیں ۔ حسین ہوش میں آتا ہے تو اسے موسیٰ کی قبر کے پاس ہی زمرد کی قبر بھی بنی ہوئی ملتی ہے ۔ وہ محبوبہ کی قبر کا مجاور بن کے بیٹھ جاتا ہے اور خاصے عرصے بعد اس وقت وہاں سے رخصت ہوتا ہے جب اسے زمرد کا خط ملتا ہے جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ شیخ علی وجودی کی خدمت میں حاضر ہو (جو فرقہ باطنیہ کے ایک رکن خاص ہیں) اور جو کچھ وہ کہیں اس کی بے چون و چرا تعمیل کرے ، اس لیے کہ جس جنت میں زمرد ہے اس میں پہنچنے کی یہی سبیل ہے ۔ حسین تعمیل کرتا ہے اور سختیاں جھیلتا ہوا شیخ تک پہنچتا ہے اور فنا فی الشیخ کی منزل پر پہنچ کر شیخ کے حکم سے ایک بہت بڑے عالم امام نجم الدین نیشاپوری کو قتل کرتا ہے ۔ اس کے صلے میں وہ (باطنیوں کی بنائی ہوئی) بہشت بریں کی سیر کرتا ہے اور وہاں اس کی ملاقات

زمرد سے ہوتی ہے (جو گویا اس بہشت بریں کی حور ہے) -
کچھ مدت وہاں رہ کر وہ پھر عالم عناصر میں لوٹ کر آتا ہے
اور اب آتش شوق اور تیز ہوتی ہے - چنانچہ اس مقصد کے
حصول کے لیے وہ شیخ علی وجودی کے کہنے پر اس مرتبہ ایک
اور عالم وقت امام نصر بن احمد کو قتل کرتا ہے اور اس کے
بعد جب بڑے ذوق و شوق اور جوش سے جنت جانے کے لیے
اپنا حق جتاتا ہے تو رکن الدین خور شاہ (جو ان دنوں باطنین
کا امام تھا) غصے میں اسے دربار سے نکال دیتا ہے اور
مایوس ہوکر وہ پھر زمرد کی قبر پر آ کر بیٹھ جاتا ہے -
کچھ دن کے بعد اسے زمرد کے دو خط ملتے ہیں - ایک خود
اس کے نام اور دوسرا ملکہ بلغان خاتون کے نام (جس کا باپ
چند دن ہوئے ایک باطنی فدائی کے ہاتھوں قتل ہوا تھا) -

حسین یہ خط لے کر بلغان خاتون کے پاس پہنچتا ہے اور
وہ زمرد کی ہدایتوں کے مطابق ایک خاص تاریخ کو ایک بہت
بڑی فوج لے کر 'فردوس بریں' میں پہنچ جاتی ہے اور وہ اور
اس کا بھائی ہلاکو خاں باطنین کے قلعے 'التمونت' پر حملے کرتے
ہیں اور اس طرح ملاحدہ کے اس فتنے کا خاتمہ ہو جاتا ہے - اور
بلغان خاتون کی خواہش پر نصیرالدین طوسی حسین اور زمرد کا
نکاح پڑھاتے ہیں - اس کے بعد حسین اور زمرد حج کو جاتے ہیں
اور اس کے بعد عمر کا باقی حصہ شہزادی بلغان خاتون کی خدمت
میں رہ کر گزار دیتے ہیں -

جہاں تک ان واقعات کا تعلق ہے جن پر شرر نے ناول
کے پلاٹ کی بنیاد رکھی ہے ، وہ اس حد تک بالکل درست ہیں
کہ باطنیوں نے ایک فردوس بریں بنائی تھی - اس فردوس بریں
میں بے شمار حسین عورتیں 'حور' بنا کر رکھی گئی تھیں - یہ

جنت قلعہ التموت سے ملحق تھی۔ وہ ایک طرف تو شاہ التموت کی عیش گاہ تھی اور دوسری طرف باطنی فدائیوں کو گرویدہ کرنے اور زیادہ معتقد بنانے کے لیے ایک طلسم کا کام دیتی تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ باطنی ملاحدہ برابر ایسے لوگوں کو قتل کرواتے رہتے تھے جو اُن کے عقائد کے خلاف تبلیغ کرتے تھے — ان میں علما اور حکمران دونوں شامل تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی درست ہے کہ اس فتنے کا خاتمہ ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوا، جو اس لیے قلعہ التموت پر حملہ آور ہوا تھا کہ باطنیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر خلیفۂ بغداد اور شہر قزوین کے معزز لوگوں نے تاتاریوں کے شہنشاہ (منقو خاں) کو لکھا تھا کہ وہ باطنیوں کا استیصال کر کے لوگوں کو اس عذاب سے نجات دلائے۔

ان تاریخی واقعات میں شرر نے زیب داستان کے لیے جو اضافہ کیا ہے اُس سے بنیادی واقعات کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ شرر کے تخیل و تصور نے ان حقائق کی بنیاد پر جو طلسم باندھا ہے اُس سے حقائق کا اخلاقی پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ شرر کا کمال حقیقت میں یہ ہے کہ انھوں نے تاریخی حقائق میں سے صرف ایسے حقائق نکال کر جنھیں باطنیوں کی تحریک کی اساس اور روح سمجھنا چاہیے، اُن میں ایک ایسا ربط قائم کیا ہے کہ وہ سر تا سر منطقی معلوم ہونے کے باوجود قصہ گوئی کی اُس منطق پر پورا اُترتا ہے جو کسی نتیجے کے کبریٰ اور صغریٰ سے بےنیاز ہوتے ہوئے بھی قابل قبول، مؤثر اور دل نشیں ہوتی ہے۔ یہاں واقعات کی کڑیاں اس طرح جوڑی جاتی ہیں کہ دیکھنے والے کو اُن کے جوڑ نظر نہ آئیں——اور قاری کو عموماً ایک سیدھی اور ہموار راہ پر چلانے کے بجائے خندقوں کی گہرائی اور پہاڑوں کی بلندی سے گزار کر منزل مقصود تک پہنچایا جاتا

ہے۔ اور لطف یہ کہ سفر کی اس ناہمواری میں آسے کلفت کے بجائے راحت محسوس ہوتی ہے۔ وہ آمید و بیم ، حیرت و استعجاب اور کبھی کبھی حسرت و غم کی کیفیتوں کا مقابلہ کرتا ہوا، دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے قدموں کے ساتھ جب منزل مقصود پر پہنچتا ہے تو دل اس خیال سے مطمئن اور مسرور ہوتا ہے کہ اب تک جو کچھ بھی ہوا وہ واقعی ہونا ہی چاہیے تھا۔ وہ قصہ ختم کر کے قصہ لکھنے والے کی طرف جو نظر ڈالتا ہے وہ احسان مندی اور شکر گزاری کی نظر ہوتی ہے۔ فردوس بریں کے پلاٹ کی کیفیت بھی یہی ہے۔

فردوس بریں کو ہم خواہ برا ناول نہ کہہ سکیں لیکن اسے اس لحاظ سے اچھا ضرور کہتے ہیں کہ ناول نگار سے فن جتنے تقاضے کرتا ہے آنھیں اس نے بے چون و چرا بڑے خلوص اور بڑی وفاداری سے پورا کیا ہے۔ ناول کے پلاٹ کو اس نے نو بابوں میں تقسیم کیا ہے اور پلاٹ کے ارتقا اور ربط کے مقاصد کو پورا کرنے کے علاوہ وہ ان بابوں کے ذریعے دل چسپی پیدا کرنے ، آسے آہستہ آہستہ بڑھاتے رہنے اور قصے کے آخری حصے تک قائم رکھنے، امید و بیم اور حیرت و سکون کے جذبات کو حسب موقع آبھارتے اور دباتے رہنے کا کام بڑی ہوشیاری اور چابک دستی سے لیتا رہا ہے۔ قصے کے آغاز سے لے کر اس کے خاتمے سے ذرا پہلے تک قاری کے دل میں یہ بنیادی سوال پیدا ہوتا رہا ہے کہ 'اس کے بعد کیا ہوا؟' اور "دیکھیں اس کے بعد کیا ہوا؟" کا جگایا ہوا شوق آسے ایک نامعلوم منزل کی طرف بڑھاتا رہا ہے۔ ناول کا پہلا باب 'پریوں کا غول' بالکل شروع ہی سے قصے میں ایک پر اسرار اور کسی حد تک ڈرانے والی رومانی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور اس کیفیت کو مکمل کرنے میں ناول نگاری کی تفصیلی

منظر کشی کے علاوہ کرداروں کی شخصیت، اُن کے دلوں پر چھائے ہوئے شدید جذبات، اُن کے مکالموں کی پر خلوص اور محبت آمیز سادگی اور بے تکلفی برابر کا حصہ لیتی ہے اور باب ان الفاظ کے ساتھ ختم ہوتا ہے: ''دونوں عاشق و معشوق روشنی کو گھبرا گھبرا کے اور ساعت بہ ساعت زیادہ متحیر ہو کے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل قریب آ گئی۔ بڑی بڑی پندرہ بیس مشعلیں تھیں اور ان کے نیچے حسین و پری جمال عورتوں کا ایک بہت بڑا غول تھا، جن کی صورت دیکھتے ہی زمرد اور حسین دونوں نے ایک چیخ ماری اور دہشت زدگی کی آواز میں دونوں کی زبان سے نکلا 'پریاں' اور دونوں غش کھا کے بے ہوش ہو گئے۔

زمرد اور حسین کی یہ دل دوز چیخ سن کر اور اس عالمِ انسانی میں 'پریوں' کے ہونے کی خبر سن کر کس کا دل ہے کہ بے قرار نہیں ہوجائے گا؟ اور کون ہے جس کا دل اس شوق اور آرزو سے خالی ہوگا کہ اسے بھی ان پریوں کا جلوہ نظر آجائے؟ قاری کے اس شوق میں حیرت، اندیشہ اور امید و بیم کی جو ملی جلی کیفیتیں شامل ہیں وہ اس سے کہتی ہیں کہ چلو چلو، دیکھیں آگے چل کر کیا ہوتا ہے۔ اور یوں پہلا باب اپنے فنی مقصد کی کامیاب تکمیل پر ختم ہوتا ہے۔

دوسرے باب کے دو عنوان ہیں 'پیاری زمرد تو کہاں گئی؟' اور 'بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید'۔ اس باب میں واقعات اور تیزی سے بڑھتے اور طلسم و اسرار کے رنگ کو اور زیادہ گہرا کردیتے ہیں۔ حسین کو ہوش آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے اور جستجو کے بعد بھی زمرد کہیں نہیں ملتی تو حسرت و اندوہ کے عالم میں پکار اٹھتا ہے: ''پیاری زمرد تو کہاں گئی؟'' اور یہ سوال صرف حسین کا سوال نہیں،

ناول کے قاری کا سوال بھی بن جاتا ہے ، اور اس سوال کا جواب اس طرح ملتا ہے کہ موسیٰ کی قبر پر لگے ہوئے کتبے پر لکھا ہوا ہے 'موسیٰ اور زمرد' ۔ موت کی یہ خبر حسین کو دیوانہ بنادیتی ہے اور قاری اس کی دیوانگی میں شریک ہو کر حسرت وغم اور اس سے بھی زیادہ حیرت و استعجاب سے اپنے دل سے پوچھتا ہے ''کیا سچ مچ زمرد مر گئی ؟'' حسین زمرد کی قبر کا مجاور بن کر بیٹھ جاتا ہے اور یہ امید اسے زندہ رکھتی ہے کہ شاید پریاں پھر آئیں اور اسے زمرد تک پہنچا دیں ۔ چھ مہینے گزر جاتے ہیں تو اسے زمرد کا ایک خط ملتا ہے ، جو اس نے جنت سے اسے بھیجا ہے ۔ خط میں جنت کا ذکر بڑے اشتیاق انگیز انداز میں کیا گیا ہے اور حسین کو یہ امید دلائی گئی ہے کہ جلد وہ وہاں پہنچ کر محبوب کے وصال کی مسرت حاصل کرلے گا ۔ یہ خط حسین کے لیے شوق کا جو پیام لاتا ہے وہ قاری کے دل میں بھی شوق کی ایک نئی شمع روشن کرتا ہے اور وہ سوچتا ہے ''کیا سچ مچ زمرد نے جنت ہی سے خط لکھا ہے ؟'' اس سوال کے پیچھے اس جنت کو دیکھ سکنے کی ایک دبی ہوئی خواہش بھی مچلتی ہوئی نظر آتی ہے ۔

حسین کو کچھ عرصے بعد زمرد کا ایک خط اور ملتا ہے جس میں اس سے کہا گیا ہے کہ ''مجھ سے ملنے کا سامان کر۔'' ملنے کے اس سامان کے سلسلے میں حسین کو بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں اور ان میں سے اکثر ایسی ہیں کہ قصے کے طلسم و اسرار کو اور گہرا بناتی ہیں ـــــ حسین کو کوہ جودی کی مغربی گھاٹی میں پہنچ کر ایک غار میں بیٹھ کر چلہ کشی کرنی ہے ۔ یہی وہ غار ہے جس میں جناب ابراہیمؑ نے کواکب کے طلوع و غروب سے فسخ عزائم کرکے خدا کو پہچانا تھا ۔ یہیں

سے نکل کر شہر خلیل جانا ہے جہاں ایک تہ خانے میں حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے جنازے رکھے ہوئے ہیں۔ ان جنازوں کے درمیان بیٹھ کر اسے دوسری چلہ کشی کرنی ہے اور یہ چلہ پورا کرکے شہر حلب پہنچنا اور وہاں ایک مقررہ وقت میں شریف علی وجودی نامی ایک بزرگ سے ملنا ہے اور سال بھر آن کی خدمت میں رہ کر ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے کہ یہی بہشت بریں میں پہنچنے اور زمرد سے ہم آغوش ہونے کا وسیلہ ہے۔

خط کے مضمون میں حسین کی آتشِ شوق کو بھڑکانے اور قاری کے جذبۂ تجسس کو تیز کرنے کے جو بے شمار پہلو ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قاری اب اپنے آپ کو پوری طرح قصے کے واقعات کے حوالے کردیتا ہے۔ طلسم و اسرار اتنے بڑھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ پیہم سوالات سے گھبرا کر اسی میں اپنی مفر جانتا ہے کہ حسین کا ہمسفر ہوکر دیکھے کہ آگے کیا کیا کچھ پیش آتا ہے۔

حسین خط میں بتائے ہوئے سب مراحل طے کرکے شیخ علی وجودی کے پاس پہنچتا ہے اور وہ اپنے مصنوعی تقدس اور انسانی جذبات کو اپنے قابو میں رکھنے اور مرضی کے راستے پر چلانے کی ماہرانہ قدرت کی بنا پر حسین کو پوری طرح اپنے جال میں پھنسا کر اسے امام نجم الدین نیشا پوری کے قتل پر آمادہ کرتا ہے اور وہ زمرد سے ملاقات کے شوق میں انھیں قتل کرکے سرو شبستاں کی سیر کا حقدار بنتا ہے۔ اسے بہت سی پر اسرار منزلوں سے گزار کر فردوس بریں پہنچایا جاتا ہے۔

چوتھے باب میں فردوس بریں کی بڑی دل کش مصوری کی گئی ہے۔ وہاں حسین کی ملاقات زمرد سے ہوتی ہے اور وہ

کچھ دن سرشاری کی کیفیت میں گزارتا ہے، لیکن جلد ہی اسے پتا چل جاتا ہے کہ اب اُسے عالمِ خاکی میں واپس جانا ہے۔ اس کی بے قراری دیکھ کر زمرد اسے بعض ایسی راز کی باتیں بتاتی ہے کہ قاری کی نظر کے سامنے جو کچھ اب تک گزرتا رہا تھا اُس کے متعلق اس کے دل میں کچھ اُلجھنیں اور کچھ شبہے پیدا ہونے لگتے ہیں اور کہانی کے اگلے حصوں کو وہ اسی شبہے کے احساسات کے ساتھ پڑھتا ہے۔ گزری ہوئی بعض باتوں کے معنی اس کی سمجھ میں آتے ہیں اور بعض نئی باتیں سامنے آکر ایک نئی اُلجھن پیدا کردیتی ہیں۔ یہ صورت پانچویں اور چھٹے بابوں کی ہے جن میں حسین کے ایک اور عالمِ عصر کے قتل کرنے اور اس کے بعد خور شاہ کے دربار سے نکالے جانے کا حال پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ہر موقع پر ایسی جزئیات کی مدد لی گئی ہے کہ پیش آنے والی ہر بات لفظ بہ لفظ سچ معلوم ہوتی ہے۔ چھٹے باب کے آخر اور ساتویں باب میں بلغان خاتون کے اس سفر کا حال بیان کیا گیا ہے جو اس نے زمرد کے کہنے پر کیا اور اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے فردوسِ بریں تک آئی۔ قصے کا یہ حصہ شرر کے تخیل کی ایجاد ہے، لیکن یہاں انھوں نے تاریخ اور تخیل کی کڑیوں کو اس طرح جوڑا اور باہم ایک دوسرے میں پیوست اور جذب کیا ہے کہ پڑھنے والے کو کسی ایک جگہ بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ قصے کی کوئی کڑی تاریخی صداقت سے خالی ہے۔

آٹھواں باب 'افشاے راز' پچھلے بابوں میں پیدا ہونے والی الجھنوں کو سلجھاتا اور طلسم و اسرار کی حقیقت کو آشکارا کرتا ہے اور ہر نئی بات سن کر قاری بھی حسین کی طرح محو حیرت رہ جاتا ہے۔ لیکن ایسی حیرت جس میں انبساط کا ایک واضح

پہلو موجود ہے ، اور یہ سب باتیں سن کر پوری طرح اُس انجام کے لیے تیار ہو جاتا ہے جو نویں باب میں سامنے آتا ہے ۔ باطنیوں کے قتل ہونے پر اُس کا دل روتا نہیں ، اس لیے کہ جو سلوک اُن کے ساتھ ہوا وہ قانون فطرت کے عین مطابق ہے ۔ اور اس قتل و خوں‌ریزی میں کوفت اور خلش کا جو تھوڑا سا پہلو ہے ، اُسے حسین اور زمرد کی شادی دور کر دیتی ہے اور قاری کہانی اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہے کہ "اللہ نے جیسے اُن کے دن پھیرے ہمارے دن بھی پھیرے !" کہانی جس طرح ایک فنی انداز سے شروع ہوئی ہے اُسی طرح آتار چڑھاؤ کے مختلف مرحلوں سے گزرتی اور قاری کے دل کو اپنے ہاتھوں میں لیتی ایسے انجام تک پہنچتی ہے جو زندگی کی عام منطق سے بھی مطابقت رکھتا ہے اور کہانی کی اس منطق سے بھی جو عام منطق سے الگ اور اس سے زیادہ مؤثر ہے ۔

ناول نگار کی فنی چابک دستی کا دوسرا امتحان یہ ہے کہ اُس نے کہانی کے کرداروں کو کس حد تک جان‌دار بنایا ہے اور کس حد تک اُن کی سیرت اور شخصیت میں کوئی ایسا امتیازی پہلو ہے جس کی بنا پر وہ زندگی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہونے کے باوجود اُن لوگوں سے مختلف نظر آتے ہیں جن سے ہمیں ہر وقت سابقہ پڑتا ہے ۔ جو ناول نگار اپنی کہانی کا ڈھانچا سوچ سمجھ کر بناتا اور اُس ڈھانچے کے مختلف حصوں کو اس طرح جوڑتا ہے کہ اُن کی چول سے چول مل جائے اور ہر جوڑ اس ڈھانچے کو ایک موزوں اور متناسب وحدت بنانے میں حصہ لے وہ پلاٹ اور کرداروں میں لازم و ملزوم کا رشتہ قائم کرتا ہے ۔ پلاٹ اپنے ارتقا کے ساتھ ساتھ برابر کرداروں کی سیرت کے بنانے اور شخصیت کو اُبھارنے کا کام کرتا ہے ۔ اور کردار اپنی

رفتار و گفتار سے اور اپنے عمل اور رد عمل سے کہانی کو آگے بڑھتے رہنے میں مدد دیتے ہیں - دونوں چیزیں دست بدست ہو کر چلتی اور بڑھتی ہیں اور بالآخر انجام یا خاتمے پر پوری طرح ہم آہنگ ہو کر جذب و پیوست ہو جاتی ہیں - ناول کی کہانی میں عموماً کرداروں کی دو صورتیں ہوتی ہیں - ایک تو یہ کہ کردار ہمیں کہانی کے شروع میں جیسا نظر آتا ہے وہ ماضی کے واقعات نے اُسے بنایا ہے - ماحول کے گوناگوں اثرات نے اُس کی شخصیت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالا ہے اور اس شخصیت کی بعض انفرادی خصوصیتیں ہیں جو اس کے لیے خاص ہیں - کہانی کے اگلے حصوں میں کردار جو کچھ کہتا اور کرتا ہے وہ اُس کے مزاج کی اس مخصوص ساخت کے مطابق ہوتا ہے - کرداروں کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری شناسائی اُن سے اُن کی زندگی کے اُس دور میں ہوتی ہے جب ماحول نے اُن پر پورا اثر نہیں کیا ہے ؛ ماحول آہستہ آہستہ اُن پر اپنا اثر ڈال رہا ہے اور آہستہ آہستہ اُن کی سیرت کی تشکیل و تعمیر ہو رہی ہے - ایسے کرداروں کو ہم پوری کہانی میں برابر ایک سا رنگ قبول کرتا محسوس کر رہے ہیں ، یہاں تک کہ جب کہانی ختم ہوتی ہے تو یہ کردار بھی اپنے پورے قد و قامت کو پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں ، اور جیسے کچھ بھی وہ اس وقت ہیں ، ہمارے دیکھتے دیکھتے بنتے ہیں - اور ہم کہانی کے پورے سفر میں ان کے ہم سفر رہ چکنے کی بنا پر آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کی سیرتوں کے نقوش کن کن موقعوں پر بنے اور کن اسباب کا نتیجہ ہیں - گویا کرداروں کی ساخت میں بھی وہی منطق کام کرتی ہے جس کا عمل دخل پلاٹ کی ترتیب میں دکھائی دیتا ہے اور جس کا خاتمہ ایک خاص طرح کے انجام

کی صورت میں ہوتا ہے۔

فردوس بریں کے کرداروں کی ساخت دونوں طرح کے فنی عمل سے ہوئی ہے، اور ناول نگار کی کامیابی یہ ہے کہ جس طرح پلاٹ کے کسی حصے کی طرف سے اُس کے دل میں (بعض اوقات متحیر و متعجب ہو جانے کے باوجود) شبہ یا بے یقینی نہیں پیدا ہوتی اسی طرح کردار بھی جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں وہ اُن کے مزاج کی بنیادی خصوصیتوں سے ہم آہنگ ہے۔ حسین کے کردار میں سادگی (بلکہ سادہ لوحی) کی جو کیفیت ہے اور اپنی محبوبہ کی محبت کے جس جذبے نے اُسے وارفتہ و دیوانہ بنایا ہے، اُس کا اظہار اُس کے ہر عمل سے ہوتا ہے۔ اور جن بظاہر عجیب و غریب اور مجنونانہ اور وحشیانہ حرکات کا مرتکب وہ ہوتا ہے، اُن کی محرک اس کے مزاج کی یہی دو خصوصیتیں ہیں۔ لیکن چونکہ ناول نگار کو اس کا پورا احساس ہے کہ شیخ علی وجودی کی تعلیم اور شخصیت کے سحر اور وصال محبوب کی ناقابل تسخیر آرزو کے گہرے اثر کے باوجود اس کے اقدامات قتل کے لیے کافی جواز نہیں پیدا ہوتا اس لیے برابر وہ یہ دکھاتا رہتا ہے کہ حسین نے جو کچھ کیا اس کے متعلق اس کے دل میں شک و شبہ بھی پیدا ہوتا رہتا ہے اور پشیمان بھی ہوتا ہے، اور بالآخر اپنی پشیمانی اور گناہ کا کفارہ اُن کا قاتل بن کر ادا کرتا ہے، جنھوں نے اسے دو معصوموں کا قاتل بنایا تھا۔ حسین کی سیرت اور شخصیت میں وہ برائی تو یقیناً نہیں جس سے آدمی میں ہیرو کی شان پیدا ہوتی ہے، لیکن وہ مجموعی حیثیت سے اچھائیوں برائیوں کا ایسا مجسمہ ضرور بن جاتا ہے کہ ہم محض ناول نگار کے تخیل کی تخلیق سمجھنے کے بجائے گوشت پوست کا ایسا انسان سمجھتے ہیں جس کے ہر عمل کے لیے

کوئی نہ کوئی خارجی اور داخلی مواد موجود ہے۔

زمرد کے کردار میں حسین سے زیادہ کشش ہے، محض اس کے حسن و جمال کی وجہ سے نہیں جس کا ذکر ناول نگار نے بڑے رومانی انداز سے کیا ہے، بلکہ مستقل مزاجی، دوراندیشی، مصلحت بینی، ضبط، تحمل، احتیاط اور پاک دامنی کے ان اوصاف کی بنا پر جو اس کے مزاج کی نسوانی نزاکت اور اس کے جذبۂ محبت کی پاکیزگی اور صداقت کے گہرے رنگ کے نیچے دب جانے کے بجائے برابر اُس کے قول و فعل سے نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ جس جگہ بھی ہو اور جس کے سامنے بھی ہو اُس کی کشش میں کمی نہیں آتی، بلکہ حسین کی موجودگی میں تو اس کی شخصیت کی بڑائی اور زیادہ اُبھرتی ہے۔

حسین اور زمرد کے علاوہ بھی فردوس بریں میں کئی کردار ہیں۔ تاتاریوں میں منقوخاں، ہلاکو خاں اور بلغان خاتون اور باطنیوں میں خور شاہ، کاظم جنوبی، طور معنی اور علی وجودی۔ پہلے دو کردار بہت تھوڑی دیر کے لیے ہمارے سامنے آتے ہیں اور جس مقصد سے آتے ہیں اسے پورا کر کے چلے جاتے ہیں اور اس کے بعد ہم بھی انھیں بھلا دیتے ہیں۔ بلغان خاتون البتہ خاصی دیر تک ہمارے سامنے رہتی ہے اور اپنی شخصیت کی قوت اور کشش کی بنا پر جب تک سامنے رہتی ہے اپنے گرد و پیش پر چھائی رہتی ہے اور قصہ ختم کر لینے کے بعد بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ دل کے ایک گوشے میں اس کی رعنائی کا عکس موجود ہے۔

باطنیوں میں خورشاہ قطعی بے جان ہے۔ کاظم جنوبی اور طور معنی بے جان نہیں لیکن ان کی حیثیت شعلۂ مستعجل کی ہے۔ اُن کا ایک خاص رنگ ہے اور وہ جب تک ہمارے سامنے

رہیں اُن کا یہ رنگ ہماری نظر پر چھایا رہتا ہے۔ البتہ ان کے جاتے ہی یہ رنگ یوں چھٹ جاتا ہے جیسے ہوا کے تیز جھونکوں سے چھائے ہوئے بادل۔ البتہ ان کرداروں میں شیخ علی وجودی کا کردار اتنا مکمل ہے کہ اُسے بھلا دینا آسان نہیں۔ شیخ تقدس کی جس شان سے پہلے پہل ہمارے سامنے آتا ہے اُس سے ہم متاثر بھی ہوتے ہیں اور مرعوب بھی۔ اس کا ایک ایک لفظ جچا تلا اور سوچا سمجھا ہونے کے علاوہ ایک بین مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ناول نگار نے اسے جس طبقے کا نمائندہ بنا کر پیش کیا ہے علی وجودی کی شخصیت اس کے سارے رموز و اسرار کا مکمل نمونہ ہے۔ لیکن یہ رموز و اسرار اس کی ذات میں اس طرح گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اس کے جملہ حرکات و سکنات اور اقوال و افعال پوری طرح ان رموز و اسرار کے رنگ میں ڈوب کر ظاہر و صادر ہوتے ہیں اور یہ شبہ بڑی دیر کے بعد آہستہ آہستہ قاری کے دل میں جگہ پانا شروع کرتا ہے کہ تقدس اور روحانیت کے رنگ میں رچی ہوئی اس شخصیت کا اصلی رنگ کچھ اور ہے۔ لیکن ناول نگار کا کمال یہ ہے کہ اس نے تصنع کے یہ بے شمار پردے اتنی نزاکت سے اور اتنی دھیمی رفتار سے اتارے ہیں کہ قاری کو یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ ناول نگار آہستہ آہستہ اس کی حقیقت کو بے نقاب اور اس کے اصلی رنگ کو سامنے لانے کے کام میں لگا ہوا ہے۔ کتاب کے آخری باب میں البتہ اس نے آخری نقاب اس بے دردی سے اُتاری ہے کہ شیطان کی شیطنت پوری طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

فردوس بریں کے پلاٹ اور اس کے کرداروں میں جو گہرا رابطہ اور دونوں کے ایک دوسرے پر منحصر ہونے کی

جو کیفیت ہے اس کی وجہ سے قصے کی دلچسپی اخیر تک قائم و برقرار رہتی ہے ، لیکن دلچسپی پیدا کرنے کے لیے جن دوسری چیزوں سے شرر نے اس ناول میں کام لیا ہے ، وہ ان کے طرز کی عام خصوصیتیں ہیں ۔ ان خصوصیتوں میں سے پہلی ان کی منظرکشی اور واقعہ نگاری ہے ، جس میں شرر ہمیشہ ایسی جزئیات اور تفصیلات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے منظر مکمل اور بھرپور بھی معلوم ہو اور حقیقت پر مبنی بھی ۔ دوسری خصوصیت ان کی شاعرانہ انشاپردازی ہے جو ایک طرف تو مناظر میں تخیل کا رنگ بھرتی اور نثر میں نظم کی کیفیت پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف تحریر میں ایسی روانی اور بے ساختگی پیدا کرتی ہے کہ قاری اس کی رو میں بہتا چلا جاتا ہے اور اس کا ذہن کسی طرح کا بوجھ محسوس کیے 'بغیر' پوری طرح قصے کی فضا کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے ۔ اس طرح 'فردوس بریں' عظیم ناولوں کی صف میں آئے بغیر بھی ایسے ناولوں میں شمار ہوتا ہے جن میں خیال اور بیان اور نوک پلک بھی درست ہے اور ان کے باہمی رشتے میں کسی طرح کا تکلف و تصنع بھی نہیں پیدا ہوا ۔ اور یوں ناول نگار اپنے اس مقصد و منصب میں کامیاب ہوا کہ ناول پڑھنے والوں کے لیے دلچسپی اور دل بہلاوے کا ایک ہلکا پھلکا وسیلہ اور بہ حیثیت مجموعی خواص و عوام دونوں کے لیے پسندیدگی کی چیز بن گیا ۔ گو شرر نے بہت سی احتیاطوں کے باوجود اس ناول میں بھی بعض ایسی باتیں کی ہیں جو بدیہی طور پر اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی 'پبلک' کی خوشنودی حاصل کرنے کے خیال کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہتے ۔

شرر کا یہ فنی رجحان 'فردوس بریں' میں شروع سے آخر تک حسن و جمال کے ذکر کے موقعوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ ان تمام موقعوں پر شرر نے حسن و جمال کے ذکر کے ساتھ ایسی صفات استعمال کی ہیں جن کے ساتھ ایک سستی قسم کی روحانیت وابستہ ہو گئی ہے۔ مثلاً جب زمرد پہلے پہل ہمارے سامنے آتی ہے تو ۱۸ - ۱۹ سطروں میں اس کے تعارف کے سلسلے میں ذیل کی ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں:

دل ربا ہم سفر، اٹھارہ آنیس برس کی پری جمال، زاہد فریب حسن، ماہوش کی شوخ ادائیاں، آفت روزگار مہ جبیں۔ اور پھر اس کے حسن کا مجموعی تاثر اس طرح پیش کیا گیا ہے:

"اس دل ربا لڑکی کے حسن و جمال کی تصویر دکھانا مشکل ہے، مگر غالباً یہ چند باتیں مشتاق دلوں میں اور آرزومند نگاہوں کے سامنے اس کے زاہد فریب چہرے کا ایک معمولی خاکہ قائم کرسکیں۔ گول آفتابی چہرہ جیسا کہ عموماً پہاڑی قوموں میں ہوتا ہے؛ ستے اور کھنچے ہوئے سرخی کی جھلک دینے والے گال، بڑی بڑی شربتی آنکھیں، لمبی نوک‌دار پلکیں، بلند مگر کسی قدر پھیلی ہوئی ناک، نازک اور خمدار ہونٹ، باریک اور ذرا پھیلی ہوئی باچھیں، چھوٹی سی سانچے میں ڈھلی ہوئی نوک‌دار ٹھڈی، شرمگیں اور معمولاً جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ شوخ اور بے چین چشم و ابرو۔ اور اس تمام سامان حسن کے علاوہ تمام اعضا و جوارح کا غیر معمولی تناسب ہر شخص کو بے تاب و بے قرار کر دینے کے لیے کافی ہے۔"

گویا حسن کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ہر شخص کو بے تاب و بے قرار کر سکے۔

زمرد کا ذکر اس ابتدائی تعارف کے بعد بھی 'فردوس بریں' میں بار بار آتا ہے اور ان موقعوں پر اسے حوروش معشوقہ، معشوقۂ دل ربا، مینونشیں معشوقہ، دل ربا اور ناز آفریں عورت، باوفا معشوقہ، وفا کیش معشوقہ کہا جاتا ہے۔ بہشت بریں کی دوسری "حوروں" اور وہاں کے "غلمان" کو بھی بار بار "نازک بدن اور پری جمال لڑکے" "دل فریب اور ہوش ربا کم سن لڑکے" "نازک اندام اور قیامت خرام نازنین" "حسین و نازنین عورت" کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شہزادی بلغان خاتون بھی "حسین و نازنیں" اور "ناز آفرین" ملکہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس انداز بیان کا مقصد عام قاری کے دل میں ولولۂ شوق پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں، اور اس کا موقع شرر کو جہاں بھی ملا ہے اس نے پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ چناںچہ زمرد اور حسین کی ملاقاتوں میں بھی کہیں کہیں شرر کی احتیاط کے باوجود یہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایک موقع پر شرر نے احتیاط کا یہ پردہ بھی الٹ دیا اور اس بات کا لحاظ بھی نہیں رکھا کہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں وہ حقیقت کے عام تصور اور اندازے کے لحاظ سے بھی کسی طرح درست نہیں۔

شہزادی بلغان خاتون کو جب زمرد کا خط ملتا ہے تو اس مہم پر جانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے اور اس کا ذکر اپنے بھائی منقو خاں سے کرنے کے لیے اس کے دربار میں جاتی ہے۔ اس موضوع پر بہن بھائی میں جب کئی سوال جواب ہو چکتے ہیں تو منقو خاں اس سے کہتا ہے: "تم جا کر کیا کروگی، جنگ و پیکار تمھارا کام نہیں ہے۔" اس پر بلغان خاتون

جواب دیتی ہے کہ :

''اسی خیال کو دنیا سے مٹا کے میں ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ عورتیں بھی ویسی ہی بہادر ہیں جیسے مرد۔ اگر موقع دیا جائے تو وہ کسی امر میں مردوں سے کم نہ رہیں گی ۔ اور ابھی تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہاں لڑائی کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں ۔"

اس پر منقو خاں کہتا ہے :

"بے شک ہوگی ، بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں ۔ باقی رہی عورتوں کی شجاعت ، میں تسلیم کرتا ہوں کہ عورتوں کی حکومت مردوں سے بڑھی ہوئی ہے ۔ بڑے بڑے تاج دار اور بڑے بڑے صف شکن جو عالم کے تخت آلٹ دیتے اور ساری دنیا کے بہادروں کے دست و بازو کو تھکا دیتے ہیں، ان پر بھی جو حکومت کرتا ہے ، وہ عورت ہے ۔ مگر عورت کے اسلحہ دوسرے ہیں ۔ وہ تیر اور خدنگ ، شمشیر و خنجر سے نہیں لڑتی ، بلکہ اپنے حریفوں پر تیر نظر ، خدنگ ناز ، شمشیر ابرو اور خنجر مژگاں سے فتح یاب ہوتی ہے ۔"

شرر کے تاریخی ناولوں میں اسی طرح کے غیر محتاط اور بے محل مکالمے ہیں جن سے ان کی علمی اور ادبی حیثیت کو ضعف پہنچا ہے ۔ اور یہ کمزوری ان کے اس فنی نصب العین کا لازمی حصہ بن گئی ہے جو عوام کی خوشنودی کو بقاے دوام کی بنیادی شرط قرار دیتا ہے ۔ اور 'فردوس بریں' اپنی بہت سی خوبیوں کے باوجود اس کمزوری سے محفوظ نہیں رہ سکا ۔

سید وقار عظیم

# مولوی عبدالحلیم شرر اور ان کی تصنیفات

مولانا عبدالحلیم شرر ۲ جمادی الثانی (بروز جمعہ) ۱۲۷۶ھ (مطابق ۱۸۶۰ء) لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی حکیم تفضل حسین عربی فارسی کے عالم ہونے کے علاوہ بہت اچھے طبیب بھی تھے۔ ان کے نانا مولوی قمرالدین صاحب اودھ کے معزول اور جلاوطن بادشاہ نواب واجد علی شاہ کے ملازم اور مقرب خاص تھے۔ اسی تعلق کی بنا پر اس خاندان کے اکثر بزرگ جن میں حکیم تفضل حسین بھی شامل تھے، لکھنؤ چھوڑ کر کلکتے چلے گئے تھے۔ ۹ سال کی عمر میں عبدالحلیم بھی اپنی والدہ کے ساتھ کلکتے چلے گئے اور اپنے والدین کے ساتھ مٹیا برج میں رہنے لگے۔ یہیں اپنے والد کے علاوہ مولوی سید علی حیدر، مولوی محمد حیدر، مرزا محمد علی صاحب مجتہد اور حکیم محمد مسیح سے عربی و فارسی کی معقولی اور ادبی کتابیں اور ان کے علاوہ منطق اور طب کی کتابیں پڑھیں۔ اسی زمانے میں بے قاعدہ اور ناقص انداز سے تھوڑی بہت انگریزی بھی پڑھی۔

۱۸۷۵ء میں مولوی قمرالدین کو پنشن مل گئی اور ان کی جگہ عبدالحلیم شرر کا تقرر ہوا۔ دو سال تک یہ ملازمت کرکے ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ چلے آئے اور مستقل طور پر یہیں رہنے لگے۔ یہیں آنے کے بعد انھوں نے مولوی عبدالحئی صاحب سے عربی کی درسیہ کتب کی تکمیل کی۔ ۱۸۷۸ء میں ان کی

شادی ان کی ماموں زاد بہن سے ہو گئی۔ شادی کے اگلے سال وہ حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی چلے گئے اور شمس العلما میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسے میں حدیث کی تعلیم مکمل کی۔ دہلی کے دوران قیام میں انگریزی کی طرف بھی زیادہ توجہ کی اور اس میں اچھی دست گاہ پیدا کر لی۔ ۱۸۸۰ء کے اواخر میں لکھنؤ واپس آ گئے۔

قیام کلکتہ کے زمانے میں شرر لکھنؤ کے 'اودھ اخبار' کے نامہ نگار تھے۔ جب ۱۸۸۰ء میں وہ دہلی سے لکھنؤ آئے تو منشی احمد علی کسمنڈوی کے شوق دلانے پر انھوں نے اخباروں میں مضمون لکھنے شروع کیے۔ ان مضامین میں انشا پردازی کی جو رنگینی ہوتی تھی، اس کی بنا پر انھیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ چناں چہ بہت جلدی منشی نول کشور نے انھیں 'اودھ اخبار' کے ادارتی عملے میں شامل کر لیا اور اس وقت سے گویا ان کی صحافتی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ۱۸۸۴ء تک شرر 'اودھ اخبار' میں کام کرتے رہے اور اس زمانے میں بے شمار ایسے مضامین لکھے جن کی بلندیِ تخیل اور معنی آفرینی کے علاوہ زور بیان کی داد دی گئی۔ چناں چہ انھیں دنوں انھوں نے 'روح' کے موضوع پر ایک ایسا مضمون لکھا جس کی سر سید نے بہت تعریف کی اور منشی نولکشور کو لکھا کہ: "میں اس مضمون میں سے کچھ اخذ کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا صاحب مضمون سے اس کی اجازت چاہتا ہوں۔"

'اودھ اخبار' کی ملازمت ہی کے زمانے میں شرر نے اپنے ایک دوست مولوی عبدالباسط کے نام سے 'محشر' نام کا ایک ہفتہ وار رسالہ نکالا اور اس میں ایسے مضامین لکھے جو عبارت کی رنگینی اور دل کشی کا بڑا اچھا نمونہ تھے۔ اسی رسالے کے

۱۸ - ۱۹ نمبروں میں اُنھوں نے مسلسل ایک ایسا مضمون لکھا جس میں صبح کی منظر کشی کی گئی تھی - مضمون میں فارسی کی تشبیہوں اور استعاروں اور انگریزی بندشوں کا ایساحسین امتزاج تھا کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے - اس پر لطف یہ کہ اُس مضمون میں قافیہ پیمائی اور رعایت لفظی کی وہ پابندی بھی نہیں کی گئی تھی جسے اُس زمانے کے طرز تحریر کی پسندیدہ خصوصیت سمجھا جاتا تھا - شرر کا یہ طرز اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ 'محشر اخبار' کو بڑے ذوق شوق سے پڑھنے لگے - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محشر کی اس مقبولیت کو دیکھ کر مولانا کو 'اودھ اخبار' کا نمائندۂ خصوصی بنا کر حیدر آباد بھیج دیا گیا - مولانا نے چھ مہینے تک حیدر آباد میں رہنے کے بعد لکھنؤ واپس آنے کی خواہش ظاہر کی تو اُنھیں اس کی اجازت نہیں ملی - اس پر انھوں نے 'اودھ اخبار' کی ملازمت سے استعفٰی دے دیا اور لکھنؤ آ گئے - لکھنؤ میں شرر کے قیام کا یہ دور اُن کی ادبی زندگی کے آغاز کا دور ہے -

شرر کے پہلے ناول 'دلچسپ' کا پہلا حصہ ۱۸۸۵ع میں اور دوسرا ۱۸۸٦ع میں شائع ہوا - اسی سال (۱۸۸٦ع) میں انھوں نے بنکم چندر چٹرجی کے ناول درگیش نندنی کا ترجمہ (انگریزی سے) اردو میں کیا - ۱۸۸۷ع میں ان کا مشہور ماہوار رسالہ 'دل گداز' جاری ہوا - اسی میں اُن کا پہلا تاریخی ناول 'ملک العزیز ورجنا' ۱۸۸۸ع میں بالاقساط شائع ہوا اور بہت پسند کیا گیا - ۱۸۸۹ع اور ۱۸۹۰ع میں علی الترتیب 'حسن انجلینا' اور 'منصور موہنا' شایع ہوئے - ۱۸۹۰ع میں شرر نے 'مہذب' نام کا ایک تاریخی رسالہ جاری کیا - اس کے اجرا کا مقصد مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں شایع کرنا تھا لیکن یہ

رسالہ مالی مشکلات کی وجہ سے سال کے اندر ہی بند ہو گیا ۔ ۱۸۹۱ع میں ناول 'قیس و لبنیٰ' لکھا گیا ۔ اسی سال شرر نواب وقارالملک کے ملازم ہوکر حیدرآباد چلے گئے اور اُن کے تصنیف و تالیف کے پہلے دور کا خاتمہ ہوا ۔ نواب وقارالملک نے شرر کو اپنے بیٹے کا اتالیق بنا کر انگلستان بھیج دیا اور وہ ۱۸۹۲ع سے ۱۸۹۶ع تک وہاں رہے ۔ انگلستان کی روانگی سے پہلے شرر نے تین ناول 'دل کش' 'زید و حلاوہ' اور 'یوسف و نجمہ' لکھنے شروع کیے تھے ، اُن کی عدم موجودگی میں دوسروں نے انھیں مکمل کرکے شائع کر دیا ۔ آخرالذکر دو ناول بعد میں شرر نے خود بھی مکمل کیے اور 'یوسف و نجمہ' کو اسی نام سے اور 'زید و حلاوہ' کو 'فلورا فلورنڈا' کے نام سے شایع کیا ۔

۱۸۹۶ع میں انگلستان سے واپس آئے تو 'دل گداز' کو اس مرتبہ حیدرآباد ہی سے جاری کیا ۔ ۱۸۹۹ع تک وہ حیدرآباد میں رہے اور اُسی زمانے میں ناول 'ایام عرب' کا پہلا حصہ شائع ہوا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شرر نے حیدرآباد کے قیام میں تاریخی تحقیق کا جو کام شروع کیا تھا ، اُس کی ایک کڑی وہ حالات تھے جو انھوں نے 'سکینہ بنت حسین' کے نام سے شائع کیے اور جن کی بنا پر حیدرآباد کے ایک حلقے میں اُن کی سخت مخالفت شروع ہوگئی ۔ اسی مخالفت کی بنا پر انھیں ۱۸۹۹ع میں حیدرآباد چھوڑنا پڑا ۔

لکھنؤ آ کر شرر نے 'دل گداز' پھر جاری کیا ۔ اس کے علاوہ ۱۹۰۰ع میں 'پردۂ عصمت' کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ اور نکالا ۔ لکھنؤ کے قیام کے اس زمانے میں ، یعنی ۱۸۹۹ع اور ۱۹۰۱ع کے درمیان اُن کی مندرجہ ذیل کتابیں شایع ہوئیں :

"فردوس بریں" (۱۸۹۹ع) ؛
تاریخی رسالہ "حسن بن صباح" ؛
"ایام عرب" حصہ دوم (۱۹۰۰ع) ؛
"مقدس نازنین" (۱۹۰۰ع) ؛
"ڈاکو کی دلھن" (ایک انگریزی ناول کا ترجمہ ۱۹۰۰ع) ؛
"بدرالنسا کی مصیبت" (۱۹۰۱ع) ۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شرر کو ۱۸۹۹ع میں حیدرآباد سے چلے آئے تھے لیکن اُن کی ملازمت بدستور جاری تھی ۔ نواب وقارالملک اور مولوی عزیز مرزا کی توجہ سے اُن کی تنخواہ برابر لکھنؤ پہنچتی رہتی تھی ۔ ۱۹۰۱ع میں اُنھیں حیدرآباد طلب کیا گیا اور اُنھیں 'دل گداز' اور 'پردۂ عصمت' بند کرکے وہاں جانا پڑا ۔ لیکن ان کے وہاں پہنچتے ہی واقعات کا رخ بدلنا شروع ہوگیا ۔ نواب وقارالملک ملازمت سے علیحدہ ہوئے اور پھر ان کا انتقال ہوگیا ۔ مولوی عزیز مرزا کا تبادلہ اضلاع میں ہوگیا اور حیدرآباد میں اُن کا کوئی مربی نہ رہا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۳ع میں ملازمت سے برطرف ہوکر وہ لکھنؤ آ گئے ۔ ۱۹۰۴ع میں 'دل گداز' پھر لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا ۔ اور ۱۹۰۴ع اور ۱۹۰۷ع کے درمیان لکھنؤ سے اُن کی مندرجہ ذیل کتابیں شایع ہوئیں :

"شوقین ملکہ"
"یوسف و نجمہ"
"سوانح حیات حضرت جنید بغدادی"
"تاریخ سندھ"
"سوانح حیات حضرت ابوبکر شبلی"

۱۹۰۷ع میں شرر کو محکمۂ تعلیم کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی

حیثیت سے پھر حیدرآباد طلب کیا گیا ۔ وہ وہاں گئے اور ۱۹۰۸ع میں وہاں سے 'دل گداز' جاری کیا ، لیکن نظام حیدرآباد اُن سے کسی بات پر ناراض ہوگئے اور اُنھیں پھر حیدرآباد چھوڑنا پڑا ۔ وہاں کے قیام میں اُنھوں نے 'آغا صادق کی شادی' (معاشرتی ناول) اور 'ماہ ملک' (تاریخی ناول) لکھے ۔ لکھنؤ واپس آ کر ۱۹۱۰ع میں 'دل گداز' کو پھر یہاں سے جاری کیا ۔ اور جب تک زندہ رہے 'دل گداز' اور دوسرے رسالے نکالنے کے علاوہ تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہے۔ ۱۹۱۰ع سے ۱۹۲۶ع دسمبر تک کے دور کو اُن کی ادبی زندگی کا سب سے اہم دور سمجھا جاتا ہے ۔ اس دور میں اُن کی جو بہت سی کتابیں شایع ہوئیں اُن کی تفصیل یہ ہے :

۱۹۱۰ع : "فلپانا" (تاریخی ناول)

۱۹۱۱ع : "غیب دان دلھن" (ناول)

۱۹۱۲ع : "زوال بغداد" (تاریخی ناول) ؛ "تاریخ عصر قدیم" (مکمل)

۱۹۱۳ع : "رومۃ الکبریٰ" (تاریخی ناول) ؛ "حسن کا ڈاکو"

۱۹۱۴ع : "حسن کا ڈاکو" (دوسرا حصہ) ؛ "اسرار دربار حرام پور" (دو حصے)

۱۹۱۵ع : "خوفناک محبت" (ناول) "الفانسو" (ناول)

۱۹۱۶ع : "فاتح و مفتوح" (ناول)

۱۹۱۷ع : "بابک خرمی (ناول) "جویاے حق" (ناول) ؛ "سوانح قرۃ العین" ؛ تاریخ عزیز مصر ؛ "تاریخ مسیح و مسیحت"

۱۹۱۸ع : "بابک خرمی" (حصہ دوم) ؛ "تاریخ عرب قبل اسلام"

۱۹۱۹ع : ''جویائے حق'' (دوسرا حصہ) ؛ ''لعبت چین'' (ناول) '' تاریخ ارض مقدس '' ؛ '' سوانح خاتم المرسلین'' ؛ ''صقلیہ میں اسلامی تاریخ''

۱۹۲۰ع : ''عزیزۂ مصر'' (ناول) ؛ ''اسیر بابل'' (ناول)

۱۹۲۱ع : ''جویائے حق'' (تیسرا حصہ)

۱۹۲۳ع : ''طاہرہ'' (ناول)

۱۹۲۵ع : ''مینا بازار''

۱۹۲۶ع : ''شہید وفا'' ''میوۂ تلخ'' اور ''نیکی کا پھل'' (ڈرامے) ۔

شرر کی بعض تصانیف ایسی بھی ہیں جن کا سن اشاعت یقین کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا ۔ اسی طرح اُن کی تصانیف کی صحیح تعداد کا اندازہ بھی اس وقت تک پورے یقین سے نہیں کیا جا سکا ۔ مرزا محمد عسکری صاحب نے اُن کی تصانیف کی جو تعداد درج کی ہے ، وہ یہ ہے :

اخبار اور رسالے :

محشر (ہفتہ وار) ؛ دل گداز (ماہ وار) ؛ مہذب (ہفتہ وار) ؛ پردۂ عصمت (پندرہ روزہ) ؛ اتحاد (پندرہ روزہ) ؛ العرفان (ماہوار)؛ دل افروز (ماہوار)؛ ظریف (ہفتہ وار) ؛ مؤرخ (ماہ وار) ۔

تصانیف :

| | |
|---|---|
| سوانح عمریاں | ۲۱ |
| تاریخی ناول | ۲۸ |
| دوسرے ناول | ۱۴ |
| تاریخ | ۱۵ |
| نظم و ڈراما | ۶ |

| | |
|---|---|
| متفرق | ۱۸ |
| کل تعداد | ۱۰۲ |

مولانا شرر کے مضامین کے وہ مجموعے اس کے علاوہ ہیں جو آٹھ جلدوں میں شایع ہو چکے ہیں -

مضامین کے مجموعوں کی تفصیل یہ ہیں :

جلد اول : حصہ اول : شاعرانہ اور عاشقانہ مضامین
حصہ دوم : ,, ,, ,, ,, ,,
حصہ سوم : آغاز و اختتام سال کے مضامین (یہ 'دل گداز' کے اداریے ہیں) -

جلد دوم : حصہ اول : تاریخی و جغرافیائی مضامین -
حصہ دوم : مختلف ملکوں ، شہروں اور قوموں کے حالات اور تذکرے -
حصہ سوم : ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ -

جلد سوم : حصہ اول : دنیا کے مختلف ممالک کی مشہور عورتوں کا تذکرہ -
حصہ دوم : دنیا کے مختلف ممالک کی مشہور عورتوں کا تذکرہ -
حصہ سوم : دنیا کے مشہور مردوں کے حالات -

جلد چہارم : ادبی اور تحقیقی مضامین
جلد پنجم : اصلاحی مضامین
جلد ششم : تاریخی واقعات پر خیال آرائی

جلد ہفتم : نظم و ڈراما
جلد ہشتم : مقالات شرر

کتابوں کی تعداد کے متعلق محققوں میں اختلاف رائے ہے ، اس لیے کہ بعض لکھنے والوں نے کتابوں کے نام لکھتے وقت تاریخوں کو ناول ، ناولوں کو ڈراما اور ڈراموں کو ناول کی فہرست میں شامل کر دیا ہے - لیکن بہ حیثیت مجموعی اُن کی تصانیف کی تعداد کم و بیش اتنی ہی ہوگی جتنی تاریخ ادب اُردو کے ترجمے میں درج ہے -

وقار عظیم

# فردوس بریں

از

مولانا محمد عبدالحلیم شرر لکھنوی

مرتبہ

سید وقار عظیم

# عرض مصنف

کچھ اوپر ایک سال کا زمانہ ہوا کہ حسن بن صباح کے حالات زندگی لکھنے اور مارکو پولو کے سفرنامے کے مطالعے سے میرے دماغ میں یکایک ایک نئے پلاٹ کا خاکہ پیدا ہو گیا۔ وہ پلاٹ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا اور انسان کی کامیابیوں کے ثبوت کا سب سے عجیب نمونہ تھا۔ خیال آتے ہی وہ پلاٹ میرے دل اور دماغ پر اس قدر حاوی ہو گیا کہ مجھے قلم بند کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی، اور آخر بہت ہی محدود زمانے میں اور ایک معمولی توجہ سے تیار ہو گیا جو میرے خیال میں بالکل نئی طرح کا، سب سے اچھوتا اور نہایت ہی دلچسپ ناول ہے۔ اس قسم کے تاریخی واقعات میں سے بہت کم ہیں جن پر کسی انگریزی مصنف نے کوئی ناول نہ تیار کر دیا ہو۔ مگر حیرت ہے کہ جہاں تک میں دریافت کر سکا، یہ واقعات ان مغربی متجسسوں کے قلم سے بھی بچے ہوئے ہیں۔

تاہم یہ بات اس وقت میرے خیال میں نہ گزری تھی کہ یہ نئی تصنیف جو جدید اردو کی لائبریری میں اضافہ کی جاتی ہے کچھ زیادہ دلچسپ اور پسندیدہ خیال کی جائے گی۔ لیکن احباب کی بے انتہا توجہ، قدردانوں کے ذوق و شوق اور بعض بہت بڑے بڑے معزز رؤسائے دولت دکن کے سامنے پڑھے جانے کی بدولت چھپنے سے پیشتر ہی اس کی شہرت ہو گئی اور ہر طرف سے اصرار ہونے لگا کہ بہت جلد چھپوائی جائے۔ حیدرآباد اور

بھوپال وغیرہ میں اکثر احباب مسودہ مانگنے لگے کہ اگر مصنف کو طبع کرنے میں کسی قسم کی دشواریاں ہیں تو انھیں چھاپنے کی اجازت دی جائے جس کے معاوضے میں ایک کافی رقم دینے کو بھی تیار تھے مگر میری طرف سے ہمیشہ انکار کیا گیا، اس لیے کہ مصمم ارادہ تھا کہ یہ کتاب دل گداز بک ایجنسی ہی کے مصارف سے چھاپی جائے۔

یہ خیال اور ارادے دل ہی میں تھے کہ مجھے باجازت نواب مدارالمہام سرکار آصفیہ دکن دام اقبالہ لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا؛ یہاں بہت پرانے دوست منشی محمد نثار حسین صاحب نثار مہتمم و مالک قومی پریس و پیام یار سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اس کتاب کو دیکھا، بہت پسند کیا اور پہلی ہی ملاقات میں بڑے اصرار کے ساتھ ایک معتدبہ رقم کے معاوضے میں فردوس بریں کے پہلے ایڈیشن کے چھاپنے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ اگرچہ ابتداً مجھے ان سے بھی انکار تھا مگر دراصل ہندوستان میں وہی ایک شخص ہیں جن کو ایسے کاموں کے لیے میں خود اپنے اوپر ترجیح دے سکتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ انھیں اجازت دی گئی اور یہ ناول چھپنا شروع ہوگیا۔

اس موقع پر مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ جو کوئی اس ناول کو پڑھے گا، اس کی آنکھوں کے سامنے سے ایسے عجیب و غریب واقعات گزریں گے جو اسے نہایت ہی حیرت ناک معلوم ہوں گے اور وہ انتہا سے زیادہ متحیر ہو کے بار بار اپنے دل میں کہے گا کہ یہ تاریخی حالات ہیں یا محض خیالی کارنامے۔ اور واقعی جس گروہ یا جس مذہب کے حالات ان صفحات پر دکھائے گئے ہیں اس کی تاریخ موجودہ زمانے میں ایک افسانے ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ اس کے بعض پیرو اب بھی موجود ہیں مگر

ان میں نہ وہ قدیم شان باقی ہے اور نہ وہ پرانا فدائیت کا جوش۔ مگر صرف اتنا اطمینان دلا دینے سے ناظرین کی حیرت کم نہ ہوگی اس لیے کہ باطنین کے تاریخی حالات اور ان کی قوت و سلطنت کے عروج و زوال کے پورے واقعات صرف فردوس بریں کے پڑھ لینے سے نہیں معلوم ہوسکتے؛ اسی غرض کے لیے میں نے حسن بن صباح کے حالات اور اس کے قائم کیے ہوئے مذہب اور اس کی سلطنت کے مفصل واقعات جداگانہ لکھے ہیں۔ فردوس بریں کے پڑھنے کے ساتھ اگر وہ حالات بھی دیکھ لیے جائیں تو البتہ ناظرین کو پورا لطف آئے گا اور معلوم ہوگا کہ مصنف نے ناول کو کس مناسب ترتیب سے لکھا ہے۔ اور تاریخ کے ناول بنانے میں کیا اور کیسا کام کیا گیا ہے۔

حسن بن صباح کے حالات ۱۳۲۶ محمدی مطابق ۱۸۹۸ء کے دلگداز میں شائع ہوچکے ہیں، مگر وہ بہت کچھ ناقص تھے؛ اب میں نے ان کو بہت کچھ بڑھا کے نئی ترتیب سے لکھا ہے اور قومی پریس میں ایک مکمل رسالے کی وضع میں چھاپے گئے ہیں۔ اور قیمت بھی صرف چھ آنے مقرر کی گئی ہے۔ جو حضرات اس ناول کو ملاحظہ فرمائیں، ان کے لیے ضرور ہے کہ اس رسالے کو بھی منگوا کر رکھ لیں۔

راقم محمد عبدالحلیم شرر
لکھنؤ۔ کٹرہ بزن بیگ خاں
۱۰۔ اگست ۱۸۹۹ء

پہلا باب

# پریوں کا غول

اب تو سنہ ۶۵۰ ہجری ہے ، مگر اس سے ڈیڑھ سو سال پیشتر سے سیاحوں اور خاصۃً حاجیوں کے لیے وہ کچی اور اونچی نیچی سڑک نہایت ہی اندیشہ ناک اور پرخطر ہے جو بحر خزر (کیسپین سی) کے جنوبی ساحل سے شروع ہوئی ہے اور شہر آمل میں ہو کے شاہنامے کے قدیم دیوستان یعنی ملک ماژندران اور علاقہ رودبار سے گزرتی اور کوہسار طالقان کو شمالاً و جنوباً قطع کرتی ہوئی شہر قزوین کو نکل گئی ہے۔ مدتوں سے اس سڑک کا یہ حال ہے کہ دن دہاڑے بڑے بڑے قافلے لٹ جاتے ہیں اور بے گناہوں کی لاشوں کو برف اور سردی مظلومی و قتل و غارت کی یادگار بنا کے سالہا سال تک باقی رکھتی ہے۔

ان دنوں ابتدائے سرما کا زمانہ ہے۔ سال گزشتہ کی برف پوری نہیں گھلنے پائی تھی کہ نئی تہ جمنا شروع ہو گئی۔ مگر ابھی تک جاڑا اتنے درجے کو نہیں پہنچا کہ موسم بہار کے نمونے اور فصل گل کی دلچسپیاں بالکل مٹ گئی ہوں ؛ آخری موسم کے دو چار پھول باقی ہیں اور کہیں کہیں ان کے عاشق و قدردان بلبل بدخشانی بھی اپنی ہزار داستانی و نغمہ سنجی کے راگ سناتے

نظر آجاتے ہیں - یہ کوہستان عرب کے خشک و بے گیاہ پہاڑوں کی طرح برہنہ اور دھوپ میں جھلسے ہوئے نہیں بلکہ ہر طرف سایہ‌دار درختوں اور گھنی جھاڑیوں نے نیچر پرستوں اور قدرت کے حقیقی قدردانوں کے لیے عمدہ عمدہ عزلت کدے اور تنہائی کی خلوت گاہیں بنا رکھی ہیں - اور جس جگہ درختوں کے جھنڈ نہیں ، وہاں آسمان کے نیلے شامیانے کے نیچے قدرت نے گھاس کا سبز اور مخملیں فرش بچھا دیا ہے جس پر بیٹھ کے کوئی شراب شیراز کے لطف اٹھانا چاہے تو یہاں نہر رکنی کے بدلے نہر ویرنجان موجود ہے ، جو شاید ابھی پوری ڈیڑھ صدی بھی نہیں گزری کہ رود سفید سے کاٹ کے پہاڑوں کے اندر ہی اندر مختلف گھاٹیوں میں گھمائی اور آخر شہر خرم‌آباد کے قریب بحر خزر میں گرائی گئی ہے -

انہی دلچسپیوں اور قدرت کے ان ہی نظرفریب منظروں نے اس کوہسار کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا کر رکھے ہیں- بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنت ان ہی گھاٹیوں میں ہے - اور بعض سمجھتے ہیں کہ قدیم دیوزادوں کو تو کیومرث و رستم نریمان کے زور بازو نے فنا کر دیا مگر ان کی یادگار میں بہت سی پریاں آج تک ان تنہائی کے مقامات میں سکونت‌پزیر ہیں - خوش عقیدہ لوگوں میں سے اکثروں نے ان پریوں کو اڑتے دیکھا ہے - اور بعض سیاحوں کو تو پریوں کے بڑے بڑے ہوش ربا غول گھاٹیوں سے ناگہاں نکل پڑتے نظر آئے - یہ بھی سنا جاتا ہے کہ جو کوئی یکہ و تنہا ان پریوں کے غول میں پڑ جاتا ہے ، فوراً مر جاتا ہے -

مگر پریوں اور قدیم دیووں سے زیادہ ظالم ملاحدہ اور باطنیہ لوگ ہیں جو اس تمام علاقے میں آباد اور پھیلے ہوئے ہیں ،

اور جو پرانے اصول و عقائد کا مسلمان ان کے ہاتھ میں پڑ جاتا ہے، کسی طرح جان بر نہیں ہو سکتا۔ خصوص جمادی الاول، جمادی الثانی اور رجب کے مہینوں میں ان کے مظالم کی دھوم مچ جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ علاقہائے ترکستان، کرغیز اور استرا خان کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو جہازوں پر بحر خزر سے پار ہو کے اسی علاقے میں اترتے اور اسی کوہسار طالقان کو طے کرتے ہوئے ارض عراق کو جاتے اور پھر وہاں سے خاک پاک حجاز کا ارادہ کرتے ہیں۔ اگرچہ یہاں کے مظالم کی ہر جگہ شہرت ہو گئی اور بہت سے لوگوں نے یہ راستہ چھوڑ دیا مگر پھر بھی بعض بے پروا مسلمان اپنی خوش اعتقادی کے جوش میں آ ہی نکلتے ہیں؛ علی الخصوص آمل اور اس کے مضافات کے حاجیوں کے لیے تو اور کوئی راستہ ہی نہیں۔

یہ سڑک جس کا اوپر ذکر آیا، بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے مگر ہمارے پیش نظر صرف وہی حصہ ہے جہاں یہ سڑک نہر ویرنجان کے کنارے کنارے گزری ہے۔ اس مقام سے علاقہ رودبار کے میدان ختم ہو گئے ہیں اور کوہستان کے سخت اور پیچیدہ نشیب و فراز کی ابتدا ہے۔ یہاں سے کچھ آگے بڑھ کے سڑک اور طرف گئی ہے اور نہر کوہ البرز کے دامنوں میں چکر کھا کے دشوار گزار اور پیچیدہ گھاٹیوں میں غائب ہو گئی ہے۔

شام کو شاید چند ہی گھڑیاں باقی ہوں گی؛ آفتاب سامنے کی برف آلود چوٹیوں کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اس کی کمزور کرنوں نے جو تھوڑی بہت گرمی پیدا کی تھی، مٹ گئی اور ہوا کے سرد جھونکے جو بلند برفستان پر سے پھسلتے ہوئے آتے ہیں، انسان کے کپکپا دینے کے لیے کافی ہیں۔

اس جگہ پر اور ایسی حالت میں شمال کی طرف سے دو مسافر

سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹے اور دو بڑی بڑی گٹھریوں کی صورت بنائے ہوئے آہستہ آہستہ آ رہے ہیں ۔ دونوں دو چھوٹے چھوٹے اور تھکے، ماندے گدھوں پر سوار ہیں۔ اُن کی سست روی اور مجموعی حالت سے خیال ہوتا ہے کہ کسی گاؤں کے غریب ملا یا فقیر ہیں جو امارت اور سپاہیانہ دونوں وضعوں سے جدا کسی دینی غرض اور تقدس کی شان سے مذہبی سفر کو نکلے ہیں ۔ مگر نہیں ، وہ اور قریب آ گئے اور معلوم ہوا کہ نہ ملا ہیں اور نہ مشائخ بلکہ دو نوعمر شریف‌زادے ہیں ، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت ۔ ان کے لباس و وضع سے چاہے نہ ظاہر ہو مگر بشرے بتائے دیتے ہیں کہ کسی معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور ممکن نہیں کہ کسی نامی اور شریف گھرانے سے نہ تعلق رکھتے ہوں ۔ اس لیے کہ موٹے موٹے اور لمبے چوڑے کملوں کے نیچے جنہیں سر سے پاؤں تک لپیٹ لیا ہے ، دونوں شرفاے آمل کا لباس پہنے ہوئے ہیں ۔

مرد جس کی اُٹھتی جوانی ہے ، ایک خوب‌صورت نوجوان ہے ۔ یہ یک اونی کفتان پر بڑا پوستین کا لبادہ پہنے ہے ۔ سر پر قدیم لمبی ترکی ٹوپی ہے جو بانس کی تیلیوں سے ایک مخروطی صورت میں بنا کے بکری کی سیاہ کھال سے منڈھ دی گئی ہے ۔ ٹوپی پر بڑا عمامہ ہے اور اس کے کئی پیچ سر سے نیچے اتر کے کانوں اور گلے میں بھی لپٹے ہیں ۔ پاؤں میں موزے اور ایک اونی پائجامہ ہے ۔ کمر میں چمڑے کی پیٹی کسی ہے جس میں خنجر لگا ہے اور تلوار لٹک رہی ہے ۔ اس نوجوان کے پاس کمان اور تیروں کا ترکش بھی ہے ۔ مگر اس عہد قدیم کے یہ ضروری اسلحے گدھے کی زین میں بندھے ہیں ۔ اور یہی ایک حربہ ہے

جس کے ذریعے سے شکار کرکے یہ دلاور نوجوان اپنے اور اپنی دل‌ربا ہم سفر کے لیے قوت لایموت حاصل کرتا ہے - الغرض ایک گدھے پر تو یہ نوجوان سوار ہے اور دوسرے پر ایک اٹھارہ انیس برس کی پری جمال - موٹے موٹے کپڑے اور بھدی پوستین اس کے زاہد فریب حسن کو بہت کچھ چھپا رہے ہیں، مگر ایک دل‌ربا ماہوش کی شوخ ادائیاں کہیں چھپائے چھپی ہیں ! جس قدر چہرہ کھلا ہے ، حسن کی شعاعیں دے رہا ہے اور دیکھنے والے کی نظر کو پہلا ہی جلوہ یقین دلا دیتا ہے کہ ایسی حسین و نازنین پھر نظر نہ آئے گی - ہماری آفت روزگار مہ‌جبیں ایک زرد ریشمی پائجامہ پہنے ہے ، جو اوپر سے نیچے تک ڈھیلا اور پاؤں کے گٹوں پر خوشنما چنت کے ساتھ بندھا ہوا ہے - گلے میں دیبائے سرخ کا کرتا ہے اور سر پر نیلے پھول‌دار اطلس کی خمار - لیکن یہ سب کپڑے ایک گرم اور پھولے پھالے پوستین کے اندر چھپے ہوئے ہیں - جو چیز کہ اُس کے عورت ہونے کو عام طور پر ظاہر کر رہی ہے وہ چھوٹی چھوٹی سینکڑوں چوٹیاں ہیں جو خمار کے نیچے سے نکل کے ایک شانے سے دوسرے شانے تک ساری پیٹھ پر بکھرتی چلی گئی ہیں اور راستے کے نشیب و فراز یا گدھے کی تیز روی سے بار بار کھل جاتی ہیں -

اس دل‌ربا لڑکی کے حسن و جمال کی تصویر دکھانا مشکل ہے ، مگر غالباً یہ چند باتیں مشتاق دلوں میں ، اور آرزومند نگاہوں کے سامنے اُس کے زاہد فریب چہرے کا ایک معمولی خاکہ قائم کر سکیں - گول آفتابی چہرہ ، جیسا کہ عموماً پہاڑی قوموں میں ہوتا ہے ، ستے اور کھنچے ہوئے سرخی کی جھلک دینے والے گال، بڑی بڑی شربتی آنکھیں ، لمبی نوک‌دار پلکیں ، بلند مگر کسی قدر پھیلی ہوئی ناک ، نازک اور خمدار ہونٹ ،

باریک اور ذرا پھیلی ہوئی باچھیں، چھوٹی سی سانچے میں ڈھلی ہوئی نوکدار ٹھڈی ، شرمگیں اور معمولاً جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ شوخ اور بے چین چشم و ابرو ؛ اور اس تمام سامان حسن کے علاوہ تمام اعضا و جوارح کا غیر معمولی تناسب ہر شخص کو بیتاب و بے قرار کر دینے کے لیے کافی ہے ۔

یہ دونوں نو عمر مسافر چاروں طرف کے منظروں کو دیکھتے اور مقامی دشواریوں کی وجہ سے دل ہی دل میں ڈرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور خاموش ہیں ۔ دن کے آخر ہو جانے کے خیال سے اُن کے نازک چہرے جنھوں نے ابھی تک تجربے کی پختگی نہیں حاصل کی، پریشان ہونے لگے ہیں ، مگر اس پر بھی خموشی کا قفل نہیں کھلتا ۔ ناگہاں کسی فوری جذبے سے مغلوب ہو کے نازنین لڑکی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور باریک اور دلفریب آواز میں پوچھا ”آج کون دن ہے ؟“

**نوجوان :** (چپکے ہی چپکے کچھ حساب لگا کے) جمعرات !

**لڑکی :** (حسرت آمیز لہجے میں) تو ہمیں گھر چھوڑے آج پورے آٹھ دن ہوئے ۔ (ذرا تامل کرکے) خدا جانے لوگ کیا کیا باتیں کہتے ہوں گے اور کیسی کیسی رائیں قائم کی جاتی ہوں گی ۔

**نوجوان :** یہی کہتے ہوں گے کہ حج کے شوق نے ہم سے وطن چھڑا دیا ۔

**لڑکی :** (پھر ایک آہ سرد بھر کے) مجھے الزام بھی دیتے ہوں گے کہ نامحرم کے ساتھ چلی آئی ۔

**نوجوان :** زمرد ! (یہ اس لڑکی کا نام ہے) اب میں نامحرم نہیں ہوں ۔ دو ہی چار روز میں ہم قزوین پہنچ جائیں گے اور وہاں پہنچتے ہی نکاح ہو جائے گا ۔

**زمرد :** (پھر ٹھنڈی سانس لے کے) خدا جانے وہاں تک پہنچنا بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔

**نوجوان :** کیوں؟

**زمرد :** راستے کی دشواریاں مشہور ہی ہیں؛ کوئی خوش نصیب مسافر ہی ہوتا ہوگا جو پریوں کے ہاتھ سے بچ کر نکل جاتا ہو۔ اور ان سے بچ بھی جائے تو ملاحدہ[1] کیوں چھوڑنے لگے۔

زمرد میں اس وقت ایک غیر معمولی تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ اس مقام نے اسے کوئی خاص بات یاد دلادی ہے جس کی وجہ سے وہ چاروں طرف کے منظر کو ہر طرف مڑ مڑ کے دیکھ رہی ہے اور بار بار آہ سرد بھرتی ہے۔ نوجوان نے اس بات کا خیال بھی نہیں کیا اور معمولی لہجے میں کہنے لگا: "ملاحدہ کی طرف سے تو مجھے اطمینان ہے، اس لیے کہ ان کے مشہور نقیب آمل ملا ہبۃاللہ سے مجھے ایک خط مل گیا ہے، وہ خط ہمیں ایک مجرب تعویذ کا کام دے گا اور اس کے پیش کرتے ہی ہم ہر قرمطی کے دستِ ستم سے نجات پا جائیں گے۔"

یہ باتیں کرتے کرتے دونوں نوعمر مسافر اس مقام پر پہنچے جہاں سے سڑک تو کوہسار کی بلندی پر چڑھنا شروع ہوئی ہے اور نہر اس سے جدا ہو کے دشوارگزار گھاٹیوں اور گھنی خاردار جھاڑیوں میں گھسنے کے لیے داہنی جانب مڑ گئی ہے۔ نوجوان نے اپنے گدھے کو سڑک پر آگے بڑھایا ہی تھا کہ زمرد باگ روک کے کھڑی ہو گئی اور کہا: "نہیں حسین! (یہ اس نوجوان کا نام ہے) اُدھر نہیں۔"

---

۱ - ملاحدہ: یہ قرامطہ اور خاصۃً باطنیہ کا عام لقب تھا۔

**حسین :** (حیرت سے زمرد کی طرف دیکھ کر) پھر کدھر؟
**زمرد :** جدھر یہ نہر گئی ہے۔
**حسین :** اُدھر تو راستہ نہیں۔
**زمرد :** ہے تم چلو تو سہی۔
**حسین :** آخر قزوین چلتی ہو یا کہیں اور؟
**زمرد :** نہیں، میری منزل مقصود قزوین نہیں، مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ یہ نہر کدھر گئی ہے۔
**حسین :** اُس طرف تو پریوں کا نشیمن ہے۔
**زمرد :** ہونے دو۔
**حسین :** سنتا ہوں کوئی اُدھر سے زندہ نہیں پھرا۔
**زمرد :** یہی میں بھی چاہتی ہوں۔

حسین نے تعجب اور حیرت سے زمرد کی صورت دیکھی اور ایک متانت کی آواز سے کہا: "اور وہ حج کی نیت کیا ہوئی؟"

**زمرد :** ہے، مگر پہلے اپنے بھائی موسیٰ کی قبر پر جا کے فاتحہ پڑھ لوں تو مکہ معظمہ کا اردہ کریں۔
**حسین :** تمھارے بھائی کی قبر؟ مگر یہ کسے خبر کہ کہاں ہے؟
**زمرد :** مجھے معلوم ہے، راستہ بھی جانتی ہوں اور اس مقام کو بھی۔
**حسین :** (حیرت سے) تم! تم کیا جانو؟
**زمرد :** خوب جانتی ہوں!
**حسین :** کیا کبھی آئی تھیں؟
**زمرد :** نہیں، مگر یعقوب جو بھائی موسیٰ کے مرنے کی خبر لایا تھا، اُس سے پورا پتا دریافت کر چکی ہوں۔

پہلی نشانی تو یہی ہے کہ جہاں سے نہر سڑک سے علیحدہ ہوئی ہے، سڑک چھوڑ کے نہر کے کنارے کنارے جانا چاہیے؛ اور بعد کی نشانیاں آگے چل کے بتاؤں گی"۔

حسین : یعقوب کو کیا معلوم ؟ کون کہہ سکتا ہے کہ ان بلند اور پیچ در پیچ پہاڑوں میں کون شخص کہاں اور کیوں کر مارا گیا ؟

زمرد : تم نہیں جانتے، بھائی موسیٰ اور یعقوب دونوں ساتھ ساتھ تھے؛ اس مقام پر پہنچ کے نہر کے کنارے کنارے کچھ دور گئے تھے کہ کوہ البرز پر سے پریوں کا غول آترا۔ آن کے ہاتھ سے بھائی تو مارے گئے اور یعقوب غش کھا کے گر پڑا۔ دوسرے دن جب اسے ہوش آیا تو بھائی کی لاش پڑی پائی۔ انھیں دفن کیا پھر قبر بنا کے اور قبر کے پاس ہی ایک چٹان پر ان کا نام کندہ کرکے واپس آیا۔

حسین : مجھے تو غپ معلوم ہوتی ہے۔ آخر اس کا سبب کہ پریوں نے یعقوب کو تو زندہ چھوڑ دیا اور تمھارے بھائی مارے گئے ؟

زمرد : اس کا یہ سبب ہوا کہ بھائی نے ایک پری کا ہاتھ پکڑ لیا تھا؛ اور یعقوب بزدل تھا، پری زادوں کو دیکھتے ہی غش کھا کے گر پڑا۔

حسین : پھر ایسے مقام میں تو ہرگز نہ جانا چاہیے۔

زمرد : نہیں حسین، میں ضرور جاؤں گی۔"

حسین : فرض کرو کہ ہم وہاں پہنچے اور ہمارے سامنے بھی پریاں آتریں تو ؟

زمرد : میں تو اس سے نہیں ڈرتی ؛ اگر تمھیں خوف ہے تو نہ چلو۔

حسین : تم اکیلی جاؤ اور میں نہ چلوں ! میں جو تمھاری محبت میں ہر وقت جان دینے کو تیار ہوں !

زمرد : حسین ، سنو ! میں تمھارے ساتھ نہ آتی ۔ یہ مانتی ہوں کہ تم شریف ہو ، اور اسی زمانے سے جب کہ ہم دونوں مکتب میں ساتھ پڑھتے تھے، مجھے تم سے محبت ہے ، مگر یہ نہ سمجھو کہ ایک شریف لڑکی کو تم فقرہ دے کے گھر سے نکال لائے ہو ؛ میں خود اپنے شوق سے آئی ہوں فقط اتنی امید پر کہ بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کے دو آنسو بہاؤں گی ؛ جب یہ مقصد پورا ہو لے گا تو حج کو چلوں گی ۔

حسین : زمرد ! اپنی جوانی اور اس کم سنی پر ترس کھاؤ اور اس ارادے سے باز آؤ ۔

زمرد : نہیں ، یہ نہیں ہو سکتا ؛ اسی آرزو کے لیے بے عزتی گوارا کی ہے ۔

حسین : (مایوسی کی آواز سے) خداوندا ، اگر جان ہی جانی ہے تو پہلے میں مارا جاؤں ! زمرد ! تیری مصیبت ان آنکھوں سے نہ دیکھی جائے گی ۔

زمرد : (مسکرا کے) گھبراؤ نہیں ، ہم دونوں کی کشش ایک دوسرے کو کھینچ لے گی ۔ مارے گئے تو دونوں مارے جائیں گے ۔

یہ کہہ کے زمرد نے اپنے گدھے کو نہر ویرنجان کی طرف موڑا ؛ دو ہی قدم چلی ہوگی کہ حسین نے پھر روک کے کہا : ”زمرد ذرا صبر کرو، چلنا ہے تو کل چلنا؛ اب شام ہوا چاہتی ہے ؛

پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی ۔''

**زمرد** : بس اب چلے ہی چلو ؛ کہیں آبادی ملنے کی تو امید نہیں ؛ اور جب جنگل ہی میں ٹھہرنا ہے تو یہاں وہاں دونوں جگہ برابر ہے ۔

حسین سے کسی طرح انکار کرتے نہ بنی ؛ چل کھڑا ہوا ، اور دل میں پس و پیش کرتا ہوا زمرد کے ساتھ کوہ البرز کی تیرہ و تاریک گھاٹی میں گھسا ۔ اب دونوں آہستہ آہستہ چلے جاتے ہیں اور آس سنسان مقام کا رعب دلوں پر اس قدر بیٹھ گیا ہے کہ بالکل خاموش ہیں ۔ جوں جوں آگے بڑھتے ہیں جنگل گھنا ہوتا جاتا ہے۔ سردی ساعت بہ ساعت بڑھ رہی ہے ۔ سناٹے نے نہر کے بہنے کی آواز زیادہ تیز کردی ہے جس سے اس مقام کے وحشت ناک منظر میں ایک ہیبت بھی پیدا ہو گئی ہے ۔ اب راستہ ایسا دشوار ہے کہ گدھوں سے آترنا پڑا ۔ دونوں آگے پیچھے اپنے گدھے کے دہانے ہاتھ میں پکڑے چٹانوں سے بچتے اور جھاڑیوں میں گھستے چلے جاتے ہیں ۔ آخر دیر کے سکوت کے بعد حسین نے مرعوب ہو کے کہا : ''بے شک دیو و پری ایسے ہی سناٹے کے مقام میں رہتے ہیں ۔ انسان کیا معنی یہاں تو جانور کا بھی پتا نہیں ۔''

**زمرد** : ہاں ! اور سنتی ہوں اس نہر میں اکثر جگہ پریاں نہاتی اور بال کھولے ہوئے آپس میں کھیلتی اور چھینٹیں آڑاتی بھی نظر آجایا کرتی ہیں ۔

**حسین** : (چونک کر) ایں! یہ سنسنانے کی آواز کیسی تھی جیسے کوئی چیز سن سے کانوں کے پاس سے آکے نکل گئی؟

**زمرد** : یہ تو مشہور بات ہے کہ پریوں کے تخت چاہے آڑتے نہ نظر آئیں مگر ان کے سن سے نکل جانے کی آواز

ضرور سنائی دیتی ہے۔

**حسین** : یہ بھی ممکن ہے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ کوئی جانور تھا۔

**زمرد** : جانور ہوتا تو دکھائی نہ دیتا!

**حسین** : اگرچہ ابھی آفتاب نہیں غروب ہوا، مگر یہاں تم دیکھ رہی ہو کہ شام سے بھی زیادہ اندھیرا ہے۔ ایسے دھندلکے میں بعض اوقات اُلّو یا بڑے بڑے چمگادڑ بھی اسی طرح سنّاٹے کی آوا سے اُڑتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

**زمرد** : لیکن اصل میں یہ بھی وہی پری‌زاد ہیں جو مختلف جانوروں کی صورت میں رات کو نکلتے ہیں۔

**حسین** : ہوگا! (اتنا کہہ کے اس نے گرد کے سین کو دہشت اور بزدلی کی نگاہوں سے دیکھا اور نہایت ہی پریشانی کی آواز میں کہا) شام ہوا ہی چاہتی ہے اور تمھارے بھائی کی قبر کا کہیں پتا نہیں۔

**زمرد** : مگر میں تو بھائی کی قبر تک پہنچے بغیر دم نہ لوں گی۔

یہ کہتے ہی ایک نہایت ہی تاریک گھاٹی نظر آئی جس میں نہر تو گئی ہے مگر دونوں جانب ایسی چکنی اور کھڑی چٹانیں ہیں کہ انسان کا گزرنا بہت دشوار ہے۔ اس گھاٹی کی صورت دیکھتے ہی زمرد ایک شوق اور بے خودی کی آواز میں چلا اُٹھی: "ہاں دیکھو، یہ دوسری علامت ہے۔ اسی میں سے ہو کے راستہ گیا ہے۔"

**حسین** : مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ادھر سے ہم جائیں گے کیوں کر؟

**زمرد :** جس طرح بنے ، جاؤں گی ضرور!
**حسین :** اور یہ گدھے ؟
**زمرد :** ان کو یہیں چھوڑ دو ، واپس آ کے لے لینا ۔

حسین نے اس مستقل مزاجی اور دھن پر زمرد کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا ، پھر گدھے درختوں سے باندھے اور دونوں چٹانوں سے چمٹتے اور ہاتھوں سے پتھروں کے سروں اور خموں کو پکڑتے ہوئے آگے روانہ ہوئے ۔ کوئی دو گھڑی یہ محنت کا سفر کیا ہوگا کہ گھاٹی ختم ہوگئی جس سے نکلتے ہی دونوں نے حیرت سے دیکھا کہ نہر ویرنجان اس گھاٹی سے گزر کے یکایک ایک نہایت ہی فرح بخش مرغزار میں بہنے لگی ہے ۔ یہ عجیب لطف کا مقام تھا ۔ قدرت نے خود ہی چمن بندی کر دی تھی ۔ شگفتہ اور خوش رنگ پھولوں کے تختے دور دور تک پھیلتے چلے گئے تھے ۔ نغمہ سنج طیور بھی یہاں کثرت سے نظر آئے جو ہر طرف شاہدان چمن کے حسن و جمال پر صدقے ہوتے پھرتے تھے ۔ شام ہو رہی تھی اور یہ جوش میں بھرے ہوئے عاشقان شاہد گل اپنے معشوقوں کو آخری الوداع کہہ رہے تھے ۔ یہ سماں دیکھتے ہی زمرد نے خوش ہوکے کہا : ”اب ہم اپنی منزل مقصود کو پہنچ گئے ۔ اسی وادی میں بھائی موسیٰ مارے گئے اور کہیں یہیں ان کی قبر بھی ہوگی ۔“

یہ کہہ کے زمرد ایک نازک بدن اور چست و چالاک ہرنی کی طرح چاروں طرف دوڑی اور ایک بڑے سے پتھر کے پاس ٹھہر کے چلائی : ”آہ ! یہی میرے بھائی کی قبر ہے ۔“

اس آواز کے سنتے ہی حسین بھی اُدھر دوڑا گیا اور دیکھا کہ ایک چٹان پر موسیٰ کا نام کھدا ہوا ہے اور اس کے قریب ہی چند پتھروں کو برابر کرکے ایک قبر کی صورت بنا دی گئی ہے ۔

دونوں نے یہاں پر کھڑے ہو کے فاتحہ خوانی کی - مگر زمرد کے دل پر حسرت و اندوہ کا اس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا کہ فاتحے کے ختم ہونے سے پہلے ہی وہ گر پڑی اور قبر سے لپٹ کے زار و قطار رونے لگی - حسین نے بہت کچھ تسلی دی ، نہر سے پانی لا کے منہ دھلایا اور رات کے اندھیرے میں اپنی حور وش معشوقہ کو گود میں لے کے بیٹھا اور سمجھانے لگا -

**زمرد :** (ہچکیاں لے لے کے) حسین مجھے اپنی زندگی کی اُمید نہیں ؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہیں مروں گی - ہاتھ پاؤں سنسنا رہے ہیں ، کلیجے میں میٹھا میٹھا درد ہے اور دل بیٹھا جاتا ہے - مگر مرنے سے پہلے تم سے ایک وصیت ہے - مر جاؤں تو میری لاش کو بھی انھیں پتھروں کے نیچے دبا دینا جن کے نیچے بھائی موسیٰ کی ہڈیاں ہیں -

**حسین :** (نہایت مستقل مزاجی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں آنسو پی کر) یہ وصیت اگر پوری ہونے والی ہوگی تو کسی اور کے ہاتھ سے یہ وصیت پوری ہوگی - میں تمھارے بعد زندہ نہیں رہ سکتا - اور جس کسی کے ہاتھ سے یہ وصیت پوری ہوگی وہ تمھارے ساتھ میری ہڈیوں کو بھی ان ہی پتھروں کے نیچے دبائے گا -

**زمرد :** (خوشامد کے لہجے میں) نہیں حسین ایسا نہ کرنا - تم کو ابھی نہیں معلوم کہ مجھے کیا چیز یہاں کھینچ لائی - نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ بھائی کی محبت ہے اور نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ یعقوب کے بیان میں کوئی جادو تھا ، مگر جس روز اُس نے بھائی موسیٰ کی حسرت نصیب داستان سنائی اس کے دوسرے ہی دن

میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے بھائی اسی وادی میں کھڑے ہیں ۔خواب ہی میں انھوں نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا اور تاکید کر کے کہا کہ میری قبر پر آ کے فاتحہ پڑھ ۔ مرحوم بھائی نے کچھ ایسی مؤثر وضع سے بلایا تھا کہ ان کی اس وقت کی صورت اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے ۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میں یہاں بھائی کی بلائی ہوئی آئی ہوں ۔

حسین : (وفور گریہ سے بے اختیار ہو کر اور ایک بے انتہا جوش کے ساتھ) خیر تمھیں تو انھوں نے خواب میں فقط بلایا تھا اور مجھے تم خود اپنے ساتھ لائی ہو ۔

زمرد : ہاں میں تم کو ستھ لائی اور اسی سبب سے کہ اس دنیا میں مجھے تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ۔ میری تمنا تھی اور ہے کہ تمھارے پہلو میں اور تمھاری آنکھوں کے سامنے جان دوں ؛ اس کے بعد تم گھر جاؤ اور وہاں عزیزوں اور شہر کے دیگر شرفا کی نظر میں جو کچھ بے عزتی ہوئی ہے اس کو دور کرو اور میری خبر مرگ کے ساتھ سب کو جا کے بتا دو کہ میں نے کیوں اور کہاں جان دی ۔ اور مرتے وقت تک کیسی پاک دامن تھی ۔ (گلے میں باہیں ڈال کے) حسین ! میری آرزو ہے کہ تم زندہ رہو اور میرے دامن سے بدنامی کا دھبا دھوؤ ۔

حسین : (ایک نالۂ جاں کاہ کے ساتھ) خدا نہ کرے کہ میں تمھاری خبرِ مرگ لے جاؤں !

ناگہاں ایک پہاڑی کی ڈھالو سطح پر کچھ روشنی نظر آئی ،

جس پر پہلے زمرد کی نظر پڑی اور اس نے چونک کے کہا : "یہ روشنی کیسی ؟" حسین نے بھی اس روشنی کو حیرت سے دیکھا اور کہا : "خدا جانے کیا بات ہے ، اور دیکھو ادھر ہی بڑھتی چلی آتی ہے - اس رات کی تاریکی میں یہاں آنے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

دونوں عاشق و معشوق روشنی کو گھبرا گھبرا کے اور ساعت بہ ساعت زیادہ متحیر ہو کے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل قریب آ گئی - بڑی بڑی پندرہ بیس مشعلیں تھیں اور ان کے نیچے حسین و پری جمال عورتوں کا ایک بڑا غول ، جن کی صورت دیکھتے ہی زمرد اور حسین دونوں نے ایک چیخ ماری ؛ دہشت زدگی کی آواز میں دونوں کی زبان سے نکلا "پریاں!" اور دونوں غش کھا کے بے ہوش ہو گئے -

# بہ مے سجادہ رنگیں کن
# گرت پیرِ مغاں گوید

صبح کا وقت تھا اور نسیم کے جھونکے چل رہے تھے کہ مرغان سحر نے اپنے نشیمنوں سے نکل نکل کے حسین کو خواب بےہوشی سے جگایا - خمار کی سی کروٹیں بدل کے آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور چاروں طرف مڑ مڑ کے دیکھا مگر زمرد کا کہیں پتا نہ تھا - جب معشوقۂ دل‌ربا کی پیاری اور محبت بھری صورت کسی طرف نہ نظر آئی تو کلیجا دھک سے ہوگیا - ناتوانی اور سر پھرنے کی وجہ سے کئی دفعہ گر کے اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا چلا - آس پاس ہر جگہ دیکھا ، ہر طرف نظر دوڑا دوڑا کے ڈھونڈا لیکن نازنین و ناز آفریں زمرد کا کہیں نام و نشان نہیں - آخر ہر طرف سے مایوس ہو کے اور جستجو میں تھک کے موسیٰ کی قبر کے پاس آ کے بیٹھ گیا اور نہایت ہی حسرت و اندوہ کے عالم میں آنسو بہا بہا کے کہنے لگا : ”پیاری زمرد تو کہاں گئی ؟ آہ! کیا آسمان و زمین کھا گئے یا رات کی پریاں تجھے بھی اپنے ساتھ لے گئیں -“

اتفاقاً موسیٰ کی قبر پر نظر جا پڑی اور یہ دیکھ کے تعجب ہوا کہ قبر کچھ بدلی سی ہوئی ہے اور دو ایک پتھر زیادہ ہیں

جو کل شام تک نہ تھے - حیرت کم نہیں ہوئی تھی کہ اس چٹان پر نظر گئی جس پر موسیٰ کا نام کندہ تھا اور اس کتابے میں بھی کچھ تغیر دیکھ کے غور سے پڑھنے لگا - کسی قدر بلند آواز میں اُس کی زبان سے نکلا : "موسیٰ و زمرد!" اور اس کے ساتھ ہی چیخ مار کے وہ پھر بے ہوش ہو گیا - غم و اندوہ کے فوری جھٹکے پر طبیعت پھر غالب آئی ، ہوش آیا اور دل میں کہا "افسوس وہی ہوا جو زمرد کہتی تھی - وہ مر گئی اور میں زندہ ہوں - آہ ! پریاں بڑی ظالم تھیں ، اسے مار ڈالا اور مجھے نیم جان چھوڑ گئیں - آہ ! وہ تو میری جان تھی پھر اُس کے بغیر میں کیوں زندہ ہوں ؟"

یہ کہہ کے اسی چٹان سے سر ٹکرانے لگا جس پر دونوں بہن بھائیوں کے نام کندہ تھے - دل میں آئی کہ قبر کھول کے اپنے آپ کو بھی اس میں دفن کر دے - بلکہ اس ارادے سے چلا تھا کہ مذہب کے فرشتے نے کان میں کہا : "یہ دین کے خلاف اور مرنے والوں کی توہین ہے -" فرشتۂ غیب کی یہ آواز سنتے ہی اس نے زور سے چلا کے کہا : "تو آہ ! پھر میں کیا کروں ؟" یہ کہہ کے زمین پر گرا اور تڑپنے لگا - دیر تک تڑپنے اور نالہ و زاری کے بعد اٹھا اور دوڑ کے موسیٰ کی قبر سے لپٹ گیا جسے اب وہ زمرد کی تربت سمجھتا ہے ، اور جس طرح کوئی کسی زندہ شخص کی طرف متوجہ ہو کے باتیں کرتا ہے اسی طرح اس قبر کی طرف خطاب کر کے کہنے لگا :

> "پیاری زمرد! مرنا اپنے اختیار میں نہیں ؛ خودکشی حرام ہے اور جینا بے سود و بے مزہ ، لیکن کب تک ؟ مرنا برحق ہے اور موت ایک دن آئے ہی گی ، پھر اس کا انتظار اسی جگہ کیوں نہ کروں؟

زندگی کے ان باقی دنوں میں تیری قبر میری مونس
و جلیس ہوگی اور تیرا خیال میرا بےوفا معشوق ۔
بس اب یہیں رہوں گا اور یہیں مروں گا ۔ ہائے
جس طرح تیرے بھائی نے تجھے اپنے پاس بلایا اسی طرح
تو مجھے بلا لے ۔ تیری وصیت مجھ سے نہیں پوری
ہو سکتی ۔ اب میں یہیں کا ہوں ۔ کیا عجب کہ
ان پریوں کا پھر کبھی ادھر گزر ہو ؛ وہ بڑی
آسانی سے مجھے تیرے پاس پہنچا دیں گی۔"

دل میں یہ فیصلہ کر لینے کے بعد حسین کو کسی قدر تسکین سی ہو گئی ۔ قبر پر سے اٹھ کے نہر کے کنارے گیا ؛ پرنم آنکھوں پر پاک و صاف پانی کے چھینٹے دیے ، وضو کیا اور قبر کے برابر کھڑے ہو کے چند نفل رکعتیں ادا کیں ۔ پھر بیٹھ کے انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ زمرد کے لیے دعاے مغفرت کرنے لگا اور ہمیشہ کے لیے یہیں کی سکونت اختیار کر لی ۔

حسین نے کچھ ایسے مضبوط دل سے اپنے لیے یہ زندگی اختیار کی تھی اور موت کی دعا مانگنے یا جاں‌ستاں پریوں کے انتظار میں اسے کچھ ایسا مزا ملنے لگا تھا کہ اب اسے نہ وطن یاد ہے اور نہ وہ ارادۂ حج ۔ زمرد کا خیال اس کا قبلہ ہے اور وہ مشترک قبر اس کی مسجد ۔ گھاس پات اور کبھی کبھی چڑیوں کے شکار پر زندگی بسر ہوتی ہے اور پیام مرگ کا ہر گھڑی انتظار رہتا ہے ۔ جب کبھی اندوہ و غم کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے تو اپنی نازنیں معشوقہ کی قبر سے لپٹ کے اور رو دھو کے دل کی بھڑاس نکال ڈالتا ہے ۔

اسی حالت میں رہتے اور موسیٰ و زمرد کی تربت کا مجاور

بنے اسے چھ مہینے گزر گئے - جاڑوں کا پورا موسم ان ہی پہاڑوں پر بسر ہوا ، جہاں ایک عرصے تک ان مظلوم شہیدان حسرت کی قبر پر برف کی چادر چڑھی رہی - موسم کی سخت سردی اور برف باری اس نے صبر و شکر کے ساتھ جھیل لی - اب بہار کا زمانہ ہے اور ہر طرف پہاڑوں کے پہلو، نشیبی وادیاں اور یہ سارا مرغ زار پھولوں سے بھرا ہوا ہے - ہوا کے جھونکے ہمیشہ معطر اور مشکبار رہتے ہیں اور دل کا ولولہ ساعت بہ ساعت زیادہ بڑھتا جاتا ہے - حسین کا غم اب پہلے سے زیادہ جوش و خروش پر ہے - اب اس بہار اور پھولوں کو دیکھ کے اسے پریوں کے آنے کا زیادہ یقین ہے ، اور ان ظالم پری وشوں کے انتظار میں بے صبری اور بے چینی پیدا ہو چلی ہے - روز رو رو کے کہتا ہے : ''افسوس ! موسیٰ اور زمرد کا کام تو پریوں نے ایک ہی دن میں تمام کر دیا اور میں ایسا بد نصیب ہوں کہ انتظار ہی انتظار میں چھ مہینے گزر گئے اور وہ گویا ادھر کا راستہ ہی بھول گئیں۔''

ایک دن وہ صبح کو سو کے اٹھا تو خلاف معمول زمرد کی قبر پر ایک کاغذ پڑا ملا - حیرت و شوق سے دوڑ کے اسے اٹھایا اور پڑھا تو چند لمحے تک نقش حیرت بنا کھڑا رہا - بار بار تحریر کو غور کرکے دیکھتا اور کہتا : ''نگاہ تو نہیں غلطی کر رہی ہے ؟'' مگر ساعت بہ ساعت یقین ہوتا جاتا کہ خاص زمرد کے ہاتھ کی تحریر ہے - اس خط کی عبارت یہ تھی :

''حسین ! میں اس عالم میں نہایت ہی خوش ہوں - یہاں کی مسرتیں تیرے وہم و قیاس سے بالا ہیں - میں اسی باغ فردوس میں ہوں جس کا قرآن اور تمام کتب سماوی میں ہر مسلمان اور خدا شناس سے

وعدہ کیا گیا ہے - یہ سب لذتیں خدا کی مہربانی
سے مجھے حاصل ہیں - زہرہ و مشتری جن کے حسن
کی شعاعیں تجھے دور سے نظر آتی ہیں ، میری
انیس و جلیس ہیں - ان کا قصہ تو سن چکا ہے مگر
یہ نہیں جانتا کہ اس عالم نور اور اس مرکز لاہوت
کی مسرتیں کتنی دل فریب ہیں کہ انھیں ہاروت و
ماروت کی جاں بازی کا خیال بھی نہیں آتا - مگر
میں یہاں بھی تیرے لیے حیران اور تجھ سے ملنے
کی مشتاق ہوں - فرشتوں اور دیگر آسمانی روحوں
کے ذریعے سے مجھے برابر معلوم ہوتا رہا کہ تو
میری قبر کا مجاور بنا بیٹھا ہے - وہ مادی کشش
جو ایک عرصے تک روح کو عالم عناصر کی طرف
متوجہ رکھتی ہے ، مجھے بارہا میری قبر پر
لے گئی - میں نے تجھے اپنی قبر سے لپٹ کے روتے
دیکھا اور خود بھی گھنٹوں تیرے ساتھ کھڑی
رویا کی - مگر افسوس نہ تیری دنیاوی آنکھیں
میری صورت دیکھ سکتی تھیں اور نہ تیرے مادی
کان میرے رونے کی آواز سن سکتے تھے - تو ناحق
موت کا منتظر ہے ؛ ابھی تجھے بہت دنوں دنیا میں
رہنا ہے - وہ وقت دور ہے جب کہ مجھے تیرے
وصال کی خوشی حاصل ہوگی - وہ باغ جہاں تو
ہے پریوں کا نشیمن تھا مگر تیرے سبب سے وہ
وہاں نہیں آ سکتیں اور چوں کہ ابھی تیرے مرنے
کا وقت نہیں آیا ، لہٰذا تجھے قتل بھی نہیں کرسکتیں -
یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی طرح

اپنے تفرج گاہ کو تجھ سے خالی نہیں کرا سکتیں ۔
مجبوراً خود ان ہی کو اپنا نشیمن چھوڑ دینا پڑا ۔
افسوس تو نے میری وصیت پر عمل نہ کیا ۔ بدنام
کرنے والے اور میرے نام پر تہمت لگانے والے
اسی طرح ذلیل کر رہے ہیں ۔ جن کے الزاموں کا
طومار مجھے بہت ستاتا ہے ۔ اسی وجہ سے میں تجھے
پھر اپنی وصیت یاد دلاتی ہوں ور نہایت ہی آرزو کے
ساتھ کہتی ہوں کہ جا اور میری وصیت پوری کر ۔

تجھ سے دور اور تیری دل دادہ ۔

—زمرد"

حسین نے ہزار ہا دفعہ اس خط کو پڑھا ۔ اس کے طرز تحریرخط اور الفاظ کو غور سے اور آنکھیں پھاڑ کے دیکھا ، کسی طرح سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا مضمون ہے ۔ ایک دفعہ گھبرا کے بولا : "کیا زمرد زندہ ہے؟" پھر آپ ہی کہنے لگا ، "نہیں ، یہ ممکن نہیں ، اور وہ خود ہی لکھ رہی ہے کہ دوسرے عالم میں ہے اور فردوس بریں کی سیر کر رہی ہے ۔ پھر یہ خط کیوں کر آیا اور کون لایا ۔" دیر تک غور کرتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے ۔ پہلے دل میں آئی کہ زمرد کی ہدایت کے بموجب گھر کو واپس چلا جائے مگر پھر آپ ہی بولا ؛ "نہیں ، یہ بالکل بے حاصل ہوگا ۔ اول تو وہاں تک جایا کس سے جائے گا اور بالفرض اگر جاؤں بھی تو اس قصے کا یقین کسے آئے گا ؛ سب مجھے جھٹلا کے بے وقوف بنائیں گے ۔ نہیں میں نہیں جاسکتا ۔ اب تو عہد کرچکا کہ زندگی کے باقی ماندہ دن اسی قبر اور زمرد کی یادگار کے پاس بسر کروں گا ۔ زمرد کہتی ہے کہ ابھی مجھے بہت دنوں ایڑیاں رگڑنا ہیں ؛ بہتر ! رگڑوں گا ، اور جہاں تک جھیلا جائے

جھیلوں گا ۔ اس جگہ ایڑیاں رگڑنا بھی زمانے کی خاک چھاننے سے اچھا ہے ۔ افسوس زمرد دل میں خفا ہوگی کہ اب بھی اس کی وصیت نہ پوری کی ، لیکن میں اپنے عذرات پیش کیے دیتا ہوں ۔ جو فرشتے میری روز روز کی خبر اس تک پہنچاتے ہیں ، میرا عذر بھی اس کے گوش گزار کردیں گے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت وہ کھڑی مجھے دیکھ رہی ہو ۔ میری باتیں اپنے کانوں سے سن رہی ہو ۔ ممکن کیا معنی بالکل قرین قیاس ہے ۔ اب اپنے خط کا جواب سننے کے لیے اس کی روح اس وقت یہاں ضرور آئی ہوگی ؛ ہاں تو جو کچھ کہنا ہے اسی سے کیوں نہ کہہ دوں ۔"

یہ خیال اس کے دل میں جم گیا اور زمرد کی قبر کی طرف دیکھ دیکھ کے یوں کہنا شروع کیا :

"پیاری زمرد ! نہ میں اس حیز نور میں ہوں جہاں تو ہے اور نہ میرے پاس وہ نورانی نامہ بر ہیں جو مجھ خاکی پیکر کا خط تیرے پاس پہنچا دیں ۔ اپنی نورانی اور نوری توجہ سے کام لے اور خود میری زبان سے میرا عذر سن ۔ او حور وش اور مقبول الٰہی نازنین ! او غواص دریاے رموز وحدت و کثرت ! کیا عجب کہ اپنے نور اور تجرد کی آنکھوں سے تو اس وقت میری ستم زدگی کا تماشا دیکھ رہی ہو یا یہ میری آہ و زاری کی جگر دوز آواز تیرے روحانی کانوں تک پہنچ رہی ہو ۔ زمرد ! مجھے ان لوگوں کے پاس نہ بھیج جن کے فہم و ادراک سے تیری نورانیت اور تیری مقبولیت و معصومیت کا قصہ بالاتر ہے ۔ وہ میرے کہنے کا یقین نہ مانیں گے ، لہٰذا اپنے عشق میں مجھے اس

ذلت و رسوائی سے بچا اور اگر بارگاہ لم‌یزلی میں
تیری آواز کچھ بھی اثر رکھتی ہو تو مجھے کوشش
کر کے اپنے پاس بلا - ان پریوں کو بھیج اور جلدی
بھیج کہ اپنے تفرج گاہ کو مجھ سے خالی کر لیں -
میری روح تیرے شوق میں ایک ذبح کیے ہوئے
طائر کی طرح تڑپ رہی ہے اور اس مادی پنجرے
سے نکلنے کے لیے پھڑکتی ہے - او محبت والی
نازنین ! مجھے کہیں اور نہ بھیج بلکہ اپنے پاس
بلا -‘‘

اس قسم کے خیالات ظاہر کرتے کرتے حسین کا جوش اس قدر بڑھ گیا کہ بے تاب ہو کے زمین پر گرا اور لوٹنے اور تڑپنے لگا- اور جب ناتوانی زیادہ ہوئی تو قبر سے لپٹ کے بےہوش ہو گیا - اب اس خط نے اس کا جوش بڑھا دیا تھا اور اس کے دن پہلے سے زیادہ غم و اندوہ میں گزر رہے تھے - زمرد نے عالم سروشستان سے جو مراسلت کی تھی اس نے دل کے جذبات کو یکایک اُبھار دیا تھا - روز مینونشین معشوقہ کو خواب میں دیکھتا اور روز ایک نیا خیال پیدا ہوتا - شاید عالم آخرت کا اتنا علم الیقین کسی مسلمان کو کم ہوگا جتنا کہ فی‌الحال حسین کو تھا - دنیا اس کی نظر میں ہیچ تھی اور اپنے آپ کو عالم نور و ظلمت کے مابین ایک برزخ میں پاتا اور بے صبری و خود فراموشی کے ساتھ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس مادی اور جسمانی جامے کو چاک کر کے عالم نور میں جا پہنچے - اس حالت کو بھی ایک مہینہ ہو گیا ، جس کی ہر گھڑی زمرد کے کسی نئے خط کے انتظار میں گزری تھی - آخر انتظار کا زمانہ ختم ہوا اور ایک اور خط ملا جس کا مضمون یہ تھا :

''اے محبوس ظلمت کدۂ ارض ! میری جستجو میں تو حد سے گزرتا جاتا ہے - اور یہ نہ سمجھ کہ مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا - میرے تعلقات تیرے ساتھ روحانی تھے - اور یہی سبب ہے کہ اس عالم میں بھی جہاں ہر طرف سے مسرتیں ہجوم کیے ہوئے ہیں اور خداوند جل و علا نے ایک خاص بعید از فہم و ادراک لذت میرے دل میں پیدا کردی ہے میں تیری طرف سے اپنا خیال نہیں ہٹا سکتی - تیری یاد میں یہ روحانی لذتیں بھی میرے دل سے غم کا کانٹا نہیں نکال سکتیں -

خیر اب تو نے پورا امتحان دیا ہے اور کوئی چیز تیرے دل سے میرا خیال نہیں نکال سکتی - تو مایوس نہ ہو اور مجھ سے ملنے کا سامان کر - یاد رکھ کہ یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں تو مجھے پا سکے گا - میں تجھ سے قریب بھی ہوں اور دور بھی ہوں لیکن جس دروازے سے تو میرے پاس آ سکے گا وہ بہت فاصلے پر ہے اور وہاں تک تو بڑی محنت و ریاضت سے پہنچ سکے گا - اس کام کے لیے تجھے نفس کشی و ریاضت بھی کرنا ہوگی اور بڑے بڑے سفر بھی کرنا پڑیں گے - اس طرح بے مرشد و رہبر پہاڑوں سے ٹکرانا بے سود ہے ، اور نہ اس رونے دھونے سے کچھ ہوگا - اگر مجھ سے ملنے کا سچا شوق رکھتا ہے تو اس وادی سے نکل اور کوہ جودی[1] کی مغربی

۱ - اس پہاڑ کو فی الحال انگریزی جغرافیہ والے کوہ ارارات کہتے ہیں - یہ اس نقطے پر واقع ہوا ہے جہاں دولت عثمانیہ ، روس اور ایران کی سرحد ملی ہے -

گھاٹی میں ایک بڑا غار ہے جس میں بڑے بڑے
خدا شناس لوگ چلہ کشی کر چکے ہیں - لوگ نہیں
جانتے مگر مجھے یہاں آکے معلوم ہوا کہ جس غار میں
جناب ابراہیمؑ نے کواکب کے طلوع و غروب سے
فسخ عزائم کرکے خدا کو پہچانا تھا ، وہ یہی غار
ہے - اب لوگ اس غار کو ارض شام میں بتاتے ہیں
لیکن یہ صریح جھوٹ ہے - حضرت ابراہیمؑ کا
بچپن شام میں نہیں گزرا بلکہ اس سرزمین میں جہاں
ان کا وطن تھا اور جہاں نوحؑ کی کشتی ٹھہرنے
کے بعد ان کی نسل سکونت پزیر ہوگئی تھی - اس
غار میں تو چالیس دن تک بیٹھ کے چلہ کھینچ
اور کوشش کر کہ اس مدت میں ہر چوتھے دن
صرف تھوڑی سی نباتی قوت لا یموت پر زندگی بسر
کرے - یہ بھی ضرور ہے کہ پورے چلے بھر صرف
ایک صورت تیری نظر کے سامنے ہو اور صرف ایک
خیال تیرے دل میں - وہ صورت تو میری ہے اور
خیال ان مرشد سے ملنے کا جن کے مریدوں میں
شامل ہونے کو تو غار سے نکل کے روانہ ہوگا -
اس چلے کی تنہائی میں تو اکثر دیکھے گا کہ میں
تجھے اپنی طرف بلارہی ہوں ، مگر خبردار اس خیالی
پیکر کے دھوکے میں نہ آنا - کہیں ذرا بھی تیرے
قدم کو لغزش ہوئی تو سمجھ لے کہ مجھ سے ملنے
کی کوئی امید نہیں - چالیس دن کے بعد پچھلی رات
کو اس غار اور کوہ جودی کی گھاٹیوں سے نکل کے
سرزمین شام کو روانہ ہو اور بغیر اس کے کہ

کسی اور جگہ قیام کرے ، بہ خطِ مستقیم شہر
خلیل میں جا - وہاں کے مشہور تہ خانے میں
حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کے جنازے رکھے
ہوئے ہیں - لوگوں کی آنکھ بچا کے اتر - لوگ
تجھے روکیں گے مگر ایسی کوشش کر کہ نگہبانوں
اور مجاوروں کو خبر نہ ہو اور تو اندر پہنچ جائے -
چالیس دن تک اُن دونوں جنازوں کے درمیان میں
بیٹھ کے چلہ کھینچ - پھر وہاں سے نکل کے شہر
حلب کو جا - وہاں محلہ ارامنہ کے عقب میں تجھے
ایک چھوٹی سی مسجد ملے گی جو مسجد الشاہین
کہلاتی ہے - اس مسجد میں جا کے ٹھہر - دوسرے
ہی دن نماز فجر کی جماعت میں ایک شخص آئے گا
جو صوف کے کپڑے پہنے ہوگا - اس کے بال لمبے
ہوں گے اور ایک سیاہ کملی میں اپنا سارا جسم
چھپائے ہوگا - اس شخص کی چھوٹی ڈاڑھی میں
نصف سے زیادہ بال سفید نظر آئیں گے اور اس کا
عمامہ سبز ہوگا اس لیے کہ سادات بنی فاطمہ سے ہے -
اس نورستان میں اگرچہ وہ کسی اور معزز خطاب
سے یاد کیا جاتا ہے مگر اس عالم عناصر میں اس کا
نام الشریف علی وجودی ہے - یہ شخص اگرچہ بالکل
منکسرانہ مزاج و وضع کا نظر آئے گا مگر اس کی
آنکھوں سے ریاضت و نفس کشی اور جذبات روحانی
زیادہ ہونے کی وجہ سے شعلے نکلتے ہوں گے -
خوب یاد رکھ کہ جب تک تو شریف علی وجودی
کے سامنے نہ جا پہنچے گا وہ تیری طرف نہ توجہ

کریں گے - ان بتائی ہوئی نشانیوں سے تو ان کو پہچان لینا اور ان سے حق کا خواستگار ہونا - یہی شخص تجھ کو مجھ سے ملا سکتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہماری کامیابی ہے - اگر میرا شیدا اور میرا آرزومند ہے تو جب تک مقصد نہ بر آئے شیخ کی خدمت اور غلامی کرنا - اگر تو پورے ایک سال تک شریف علی کی خدمت میں رہے گا تو کوئی ایسا موقع ضرور پائے گا جب کہ وہ ایک جوش اور ولولے میں آ کے انسان کو ملاء اعلیٰ کی سیر کرا دینے کا دعویٰ کریں گے - یہ دعویٰ سنتے ہی ان کے قدموں پر گر کے اپنی دلی آرزو ظاہر کرنا ؛ وہ بے شک منظور کریں گے - مگر اس کا خیال رہے کہ شیخ کے ہر حکم کی تعمیل خواہ تیری سمجھ میں آئے یا نہ آئے بے عذر اور بلا حجت کرنا - "بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید -" اگر یہ سب مراحل تو نے طے کر لیے اور شیخ کی اطاعت میں پوری سرگرمی اورگرم جوشی دکھا دی تو جان لے کہ میرا آغوش تیرے لیے کھلا ہوا ہے - تجھ سے زیادہ میں تیرے لیے حیران ہوں - بس اب جلدی اس وادی اور میری قبر کو چھوڑ اور مجھ سے ملنے کی کوشش میں استقلال و مستعدی دکھا -

تیری شیدا اور مشتاق

زمرد"

حسین اپنے جوش محبت اور وطن و احباب سے متنفر ہو جانے کی وجہ سے زمرد کی پہلی وصیت اور اس کے بعد گزشتہ

خط پر عمل نہیں کر سکتا تھا مگر اب اس خط کے بعد ممکن نہ تھا کہ ایک گھڑی بھر کے لیے بھی وہ اس وادی میں ٹھہر سکے - زمرد کی محبت و وفا شعاری یاد آئی ، پہلے نہایت ہی جوش و خروش کے ساتھ زمرد کی قبر سے رخصت ہوا ، پھر خط کو کئی بار چوم کے اور آنکھوں سے لگا کے سینے میں دل سے لگا کے رکھا اور کمر باندھ کے چل کھڑا ہوا - تنگ و تاریک گھاٹی سے بہ ہزار دشواری سنبھل سنبھل کے نکلا اور اسی مقام پر پہنچا جہاں اپنے اور زمرد کے گدھوں کو درختوں سے باندھ کر چھوڑ گیا تھا - پہلے دونوں گدھے بندھے ہی بندھے سوکھ سوکھ کے سردی و برف باری کے صدمے اٹھا کے مر گئے تھے - ان کی ہڈیاں درخت کے نیچے پڑی ہوئی تھیں - مگر یہ دیکھ کے وہ نہایت ہی متحیر ہوا کہ قدیم گدھے کے بدلے اب ایک نیا اور تازہ دم گدھا اسی درخت میں بندھا اور کسا کھڑا ہے - خلاف امید اس سواری کو پا کے اس نے خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا جس نے اس عالم نور کے بہت سے رموز اس دنیا ہی میں اس پر ظاہر کر دیے ، اور آگے کی راہ لی - جہاں تک راستہ خراب اور پیچیدہ تھا وہاں تک تو وہ گدھے کا دہانہ پکڑے ہوئے پا پیادہ گیا اور جب صاف اور کشادہ زمین مل گئی تو اس خدا کی دی ہوئی سواری پر سوار ہو کے سیدھا مغرب کی طرف چل کھڑا ہوا - چونکہ اس کوہستان کا سلسلہ بھی مشرق سے مغرب کو گیا ہے لہذا اس کے دامن ہی دامن میں بادیہ پیمائی شروع کی اور دو مہینے کی دشت نوردی کے بعد علاقۂ آذربائیجان کے شہر تبریز میں جا پہنچا جہاں سے کوہ جودی دس بارہ دن کی مسافت پر ہے - تبریز ایسا بارونق شہر تھا کہ حسین کے دل میں آئی دو دن ٹھہر کے سیر کر لے مگر زمرد کی تاکید یاد آئی اور بغیر اس کے

کہ کاروان سرا میں کمر بھی کھولی ہو ، آگے کی راہ لی اور دس روز کی دشت نوردی کے بعد کوہ جودی کی سربہ فلک چوٹی کے نیچے جا کھڑا ہوا ۔

کوہ جودی بہت بلند پہاڑ ہے اور ایران و ایشیائے کوچک بلکہ سلسلۂ کوہ قاف کی اکثر چوٹیوں سے زیادہ بلند ہے ۔ حسین پہلے ایک بڑا چکر کھا کے اس زبردست اور برف سے ڈھکے ہوئے قلے کے مشرق پہلو پر نکل گیا اور اس غار کو ڈھونڈھنے لگا جس میں اسے چلہ کشی کرنا تھی ۔ کئی روز تک چٹانوں اور گھاٹیوں میں ٹکراتے رہنے کے بعد غار ملا ۔ دور دور کے گاؤں والے اکثر اس غار کی زیارت اور اس کے تاریک دہانے پر کچھ نہ کچھ چڑھانے کو آتے رہتے تھے جن میں اس کی قدیم برکتوں کے بہت سے قصے مشہور تھے اور یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب اس کو حرمت و ادب کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ انھیں گاؤں والوں میں سے ایک زائر کی زبانی حسین کو اس غار کے حالات معلوم ہوئے اور سمجھ گیا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں اسے اپنی ریاضت و نفس کشی کا پہلا امتحان دینا ہے ، اور جہاں جناب ابراہیمؑ نے خدا کو پہچانا تھا ۔

دن کو جب حسین اس غار کے دہانے پر پہنچا ہے اضلاع و جوانب کے چند خوش عقیدہ زائروں کا مجمع تھا ۔ شام کو ان کے واپس جانے کے بعد جیسے ہی آفتاب غروب ہوا وہ خدا کا نام لے کے اندر گھسا ۔ غار میں جاتے ہی وہ ریاضت میں مشغول ہو گیا اور کوشش کرنے لگا کہ وہاں کی بھیانک تاریکی میں زمرد کی خیالی تصویر کو چراغ بنا کے ہر وقت نظر کے سامنے رکھے ۔ ہر چوتھے دن پچھلی رات کو نکل کے گھاس اور پتوں سے بھوک کی حدت کم کر لیتا اور پھر اسی خلوت کدے

میں جا بیٹھتا۔

آخر چلہ پورا کر کے ہارے پرجوش نوجوان نے شام کی راہ لی۔ تین مہینے کے سفر کے بعد مقدس شہر خلیل کی عمارتیں نظر کے سامنے تھیں۔ آبادی میں داخل ہو کے سیدھا اس تہ خانے پر پہنچا۔ مگر یہاں نیچے اترنا بہت دشوار تھا اس لیے کہ ہر وقت لوگوں کا مجمع رہتا اور خرابی یہ تھی کہ جو کوئی اس مقدس غار میں اترنے کا ارادہ کرے عام مجاورین کے عقیدے میں واجب القتل تھا۔ حسین نے اپنے ارادے کو چھپایا اور مجاورین کو دوست بنا کے اس بات کی اجازت حاصل کر لی کہ اترنے کے راستے کے قریب ہی شب باش ہو۔ کئی راتیں جاگ کے کاٹیں مگر موقع نہ ملا۔ اس لیے کہ اکثر لوگ یہاں پاس ہی شب بیداری کرتے تھے اور ایسا کوئی وقت نہ ملتا جب کہ لوگ مصروف دعا و عبادت نہ ہوں۔ دو تین ہفتے کے بعد ایک مرتبہ پچھلی رات کو اٹھ کے دیکھا تو میدان صاف تھا، اور جو لوگ تھے، سو رہے تھے۔ چپکے چپکے دبے پاؤں تہ خانے کے دروازے پر گیا اور چاروں طرف دیکھ کے جب اطمینان کر لیا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے تو بے تکلف نیچے اتر گیا۔

اس مقام پر جانا بڑی جرأت کا کام تھا۔ ان انبیاے عظام کا رعب ساعت بہ ساعت دل پر غالب آتا جاتا تھا۔ پاؤں کانپ رہے تھے اور دل دھڑکتا تھا۔ تاہم زمرد کا شوق ان تمام دلی کمزوریوں پر غالب آیا اور وہ برابر بڑھتا چلا جاتا تھا۔ بار بار اسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے فرشتے روک رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مقدس جگہ کو اپنے قدموں سے ناپاک نہ کر۔ مگر ان سب خیالات کو مٹا مٹا کے وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے

میں ہاتھوں اور پاؤں سے ٹٹولتا ہوا تہ تک پہنچ گیا ۔ رات کا وقت اور پھر وہ تاریک مقام ، حسین نیچے پہنچ کے پریشان ہوا کہ ہاتھ کو ہاتھ تو سوجھائی نہیں دیتا ان بزرگ پیغمبروں کے جنازے کیوں کر نظر آئیں گے ۔ عرصے تک ایک ہی جگہ پر کھڑا سوچتا رہا ۔ اور اب دل مضبوط کر کے آمادہ ہوا تھا کہ ٹٹول ٹٹول کے آگے بڑھے ناگہاں صبح کی ہلکی ہلکی روشنی کی شعاعیں اوپر سے پہنچیں اور وہ ٹھہر گیا کہ روز روشن ہو لے تو شاید زیادہ آسانی سے اپنے معہودہ مقام پر پہنچ سکوں گا ۔ اور یہی ہوا ۔ دن کی روشنی نے اندھیرا کم کر دیا اور اسے کئی لاشیں چبوتروں پر رکھی نظر آئیں جن میں سب کے درمیان میں حضرت یعقوبؑ و حضرت یوسفؑ کے جسم تھے ۔ اُن کا انتقال چوں کہ مصر میں ہوا تھا ، لہٰذا قدیم مصریوں کے مذاق پر ان کی ممیاں[۱] بنائی گئی تھیں ۔ جسم تو گلی تابوتوں میں تھے مگر چہرے کھلے تھے جن سے اس تاریکی میں ایک عجیب رعب و جلال برستا نظر آتا تھا ۔ حسین یہ مقدس چہرے دیکھ کے سر سے پاؤں تک کانپ گیا اور کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔ چند لمحے تک مرعوب اور سہما کھڑا رہا ، مگر پھر جی کڑا کر کے قدم آگے بڑھایا اور دونوں تابوتوں کے درمیان میں جا کے چپکے سے بیٹھ گیا جہاں

---

۱ ۔ مصر والے اپنے بزرگوں کی لاشوں میں کچھ ایسا روغن لگا کے اور مصالحہ دے رکھتے تھے کہ کبھی سڑتی نہ تھیں ۔ آج تک ان کی لاشیں نکل رہی ہیں جو اسی حالت پر ہیں اور مصر کے تہ خانوں سے نکل نکل کے لندن اور پیرس کے عجائب خانوں میں رکھی جا رہی ہیں ۔ انھیں مدبر اور روغن دی ہوئی لاشوں کو ممی کہتے ہیں ۔

دونوں باہیبت چہرے ہر وقت اس کے پیش‌نظر رہتے ۔ اور اُن کا رعب اس قدر غالب تھا کہ زمرد کے خیال کو وہ بہت مشکل سے آنکھوں کے سامنے متشکل کر سکتا تھا ۔ مگر کوہ جودی کے چلے کی کوششوں نے وہ پیاری صورت زیادہ استقلال کے ساتھ نظر کے سامنے قائم کر دی تھی اور تھوڑی ہی کوشش سے ان دونوں متبرک چہروں کے درمیان میں وہ اپنی معشوقہ کا جلوہ دیکھ لیا کرتا تھا ۔

الغرض یہاں بھی وہ چلہ کشی میں مشغول ہو گیا ۔ مگر یہاں کوہ جودی کے غار کی طرح یہ ممکن نہ تھا کہ کسی وقت نکل کے قوت لایموت حاصل کر لے ۔ اس کا اسے پہلے ہی سے خیال تھا اور اس ضرورت سے تھوڑا سا پنیر اپنی چادر میں باندھ کے ساتھ لیتا آیا تھا ۔ دو تین ٹکڑے چوتھے دن کھا کے خدا کا شکرگزار ہوتا ۔ خدا خدا کر کے یہ چلہ بھی پورا ہوا اور اکتالیسویں رات کو وہ چپکے چپکے اور دبے پاؤں باہر نکلا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو اور وہ حلب کی راہ لے ۔ مگر لوگ جاگ رہے تھے جن میں سے بعض اسے پہلے ہی دیکھ چکے تھے ۔ انھوں نے دیکھتے ہی غل مچا کے حملہ کیا اور حسین غار سے نکلتے ہی مجاوروں کے ہاتھ میں گرفتار تھا ۔ ایک بڑی سخت بے ادبی اور گستاخی کا الزام اس پر لگایا گیا ، اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالا جائے مگر اتفاق یا اس کی خوش قسمتی سے آسی روز ایک باطنی فدائی کے ہاتھ سے شہر خلیل کا حکمران مار ڈالا گیا تھا ۔ لوگ اگرچہ باطنیہ لوگوں سے ڈرتے تھے مگر یہ اتنا بڑا اہم معاملہ تھا کہ انتقام کے درپے ہوئے ، اور باطنیوں کے ایک گاؤں پر تاخت کرنے کا سامان ہی کر رہے تھے کہ باطنیوں کا ایک بڑا بھاری گروہ خود ان پر آپڑا ۔

سخت قتل و خون ہوا ۔ بہت سے لوگ مارے گئے ۔ اور اسی بے امنی کی حالت میں حسین مجاوروں کی قید سے چھوٹ کے حلب کو روانہ ہوا ۔

آٹھویں دن شام کے وقت حلب میں داخل ہوا ۔ راہ گیروں سے پوچھتا ہوا محلہ ارامنہ میں اور پھر مسجدالشماسین میں پہنچا ۔ یہاں آتے ہی کمر کھول دی ؛ سر شام ہی کچھ کھا پی کے عشا کی نماز پڑھی اور پڑ کے سوگیا ۔ اگرچہ تھکا ماندہ تھا مگر زمرد کے وصال کا شوق سب پر غالب تھا ۔ آدھی رات سے زیادہ نہ گزری ہوگی کہ آنکھ کھل گئی اور صبح تک نماز فجر کے انتظار میں کروٹیں بدلتا رہا ۔ صبح کی اذان سے پہلے ہی وضو کرکے تیار ہوگیا اور دروازے پر بیٹھ کے ہر آنے والے کی صورت کا مطالعہ کرنے لگا ۔ آس پاس کے مکانوں والے نیند کے خمار میں لڑکھڑاتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے آتے اور وضو میں مشغول ہو جاتے ۔ حسین کو اکثر لوگوں پر شیخ شریف علی وجودی کی صورت کا دھوکا ہوتا مگر کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا ۔ ہر آنے والے میں اگر کوئی ایک علامت ہوتی تو اور علامتیں نہ پائی جاتیں ۔ آخر دل ہی دل میں پریشان ہونے لگا اور خود اپنی طرف خطاب کر کے چپکے سے کہا : "مجھے یقین نہیں کہ شیخ کو پہچان سکوں"۔ یہ جملہ اس کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ اسی حلیے اور وضع کا ایک شخص آیا ؛ اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کے کھڑا ہوگیا اور مسکرا کے نہایت ہی تسلی و تشفی کے لہجے میں بولا : "حسین ! میں جانتا ہوں کہ تو میری تلاش میں آیا ہے ۔"

اتنا سننا تھا کہ حسین قدموں پر گر پڑا اور شیخ شریف علی وجودی کے قدم چوم چوم کے اور ان کے پاؤں کو اپنے

آنسوؤں سے دھو دھو کے کہنے لگا : "یا حضرت ! میری مدد کیجیے - صرف آپ ہی کی رہبری سے مجھے حق کا راستہ مل سکتا ہے - جس صراط مستقیم پر چل کے انسان خدا اور عالم ارواح کو پہچان سکے وہ صرف آپ ہی جانتے ہیں -"

شیخ : (جلال میں آ کے) اے بحر وجود اور دریاے وحدت کے ذلیل و ناپاک قطرے ! تیرا کیا حوصلہ ہے کہ اس وجود غیر موجود[1] اور اس لاہوت غیرمتنوع کی رموز سمجھ سکے؟

حسین : بے شک میری کوئی ہستی نہیں مگر جب آپ کے سے شناورِ بحرِ وحدت کا ہاتھ پکڑ لوں گا تو کیا عجب کہ اس طوفان خیز دریا سے پار ہو جاؤں -

اور رو رو کے پھر شیخ کے قدم چومنے لگا -

شیخ کا جلال کسی قدر کم ہوا - انھوں نے حسین کو ہاتھ پکڑ کے اٹھایا اور سینے سے لگا لیا - اپنا سینہ کئی دفعہ خوب زور سے اس کے سینے سے رگڑا اور کہا : "اچھا آ میرے ساتھ چل ؛ میں تیرے ضبط و ظرف کا اندازہ کروں گا ، اور جب معلوم ہو لے گا کہ تیری طلب کہاں تک صادق ہے ،

---

۱ - باطنین کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا کی طرف کسی صفت کا منسوب کرنا کفر ہے - اور بظاہر جو صفات قرآن میں مذکور ہیں وہ اس اعتبار سے ہیں کہ یہ صفات اس نے مخلوق کو عطا کیے - یعنی خدا کو نور کہیں تو منور اور بصیر کہیں تو مبصر بصارت دینے والا اور اسی طرح موجود کہیں تو موجود کرنے والا مراد ہے - اسی سے وہ صفات کو منسوب کرکے پھر نفی بھی کردیا کرتے تھے - یعنی کہتے تھے موجود غیر موجود ، نور لانور وغیرہ -

اس وقت تجھے اپنے حلقۂ ذوق میں شریک کروں گا۔“

حسین نے یہ سن کے شکرگزاری کے طریقے سے سر اٹھایا؛ شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور ان کے ساتھ جا کے نماز میں شریک ہوا۔ نماز کے بعد شیخ علی وجودی اسے اپنی خانقاہ میں لے گئے جو شہر سے فاصلے پر ایک غیر آباد مقام میں تھی۔ حسین کو یہ خیال کر کے تعجب ہوا کہ مسجد شہاسین کو کیا خاص تخصیص ہے کہ شیخ وہاں فجر کی نماز ادا کرنے کو گئے تھے۔ اس کا راز دریافت کرنے کے لیے اس نے ادب کے ساتھ پوچھا: ”کیا حضرت ہر روز نماز کے لیے اسی مسجد میں تشریف لے جاتے ہیں؟“

شیخ: (لاپروائی سے) نہیں صرف آج ہی گیا تھا!

حسین: تو شاید کسی خاص کام کے لیے ادھر تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا ہوگا؟

شیخ: (ذرا برہمی سے) ”ولاتجسسوا![1]“ ان رموز معنی کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ اگر سچا شوق ہے تو کبھی خود ہی سارا راز کھل جائے گا۔ اب حرف سوال تیرے منہ سے نکل ہی گیا تو لے بتائے دیتا ہوں۔ سن! جو لوگ خدا کے انوار ازلی و سرمدی کا انعکاس اپنے دل پر کرتے ہیں ان کی آنکھوں سے حجاب کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اور جہاں جہاں وہ نور لانور اپنی کرنیں ڈالتا ہے وہاں ان کی آنکھوں کی شعاعیں بھی پہنچ

---

۱۔ قرآن کی آیت ہے۔ مراد یہ کہ لوگوں کے فعال کی جستجو نہ کیا کرو۔

جاتی ہیں ۔ میرا یہ جسم مادی اسی خانقاہ میں تھا ، مگر ان آنکھوں کی تیز شعاعیں کوہ البرز کے پہلو میں تھیں جب تو زمرد کی قبر سے لپٹا ہوا رو رہا تھا ۔ پھر جبلِ جودی کے غار ابراہیم میں تھیں جب زمرد کی تصویر تیرے سامنے اور میری جستجو تیرے دل میں تھی ۔ پھر یہ شعاعیں اس تیرہ و تار تہ خانے میں تھیں جہاں یعقوب و یوسف علیہما السلام کے چہروں کے درمیان میں تو زمرد کا چہرہ دیکھ رہا تھا ۔ پھر میں نے تیری اس بے کسی کو بھی دیکھا جب تو شہر خلیل کے مجاوروں کے ہاتھ میں اسیر تھا ۔ تیری ہی مدد کے لیے میں نے اپنے دوستوں کو بھیجا ۔ جنھوں نے شہر والوں پر حملہ کرکے تجھے ادھر آنے کا موقع دیا ۔

یہ کہتے وقت شیخ کی آنکھیں اس تیزی سے چمکیں کہ حسین بالکل تحمل نہ کرسکا اور شیخ کے قدموں پر سر رکھ کے ایک مجذوبانہ جوش کے ساتھ کہنے لگا : "آپ سب جانتے ہیں ۔ کوئی راز آپ سے پوشیدہ نہیں ۔ میری آرزو و تمنا بھی آپ کو معلوم......"

**شیخ** : (جوش و خروش سے) سب جانتا ہوں ، مگر ابھی اس کے اظہار کا وقت نہیں آیا ۔ اس شوق کا تیری زبان سے ظاہر ہونا کسی خاص وقت اور خاص حالت و کیفیت پر موقوف ہے ۔ بس اب اس وقت خاموش رہنا چاہیے ۔

یہ حکم سن کے حسین اس قدر مرعوب ہوا کہ زمین پر پڑے ہی پڑے کانپنے لگا ۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نے اُسے اُٹھا کے بٹھایا ۔ سینے اور آنکھوں پر اپنا دست برکت پھیر کے

اس کے دل کو تسلی دی اور کہا : ”حسین تو میری خانقاہ میں اور خاص میری صحبت میں رہا کر ، اور جس قدر زیادہ خدمت کرے گا اور جس مستعدی سے بے عذر و حجت میرے احکام کی جو در اصل احکام الٰہی ہیں ، تعمیل کرے گا ، اسی قدر جلد کامیاب ہوگا - مگر یہ خوب سمجھ لے کہ ابھی تیرا ظرف اور تیرا دل اس قابل نہیں کہ تنوعات ربانی اور انقلابات قدرت کے اسباب و علل سمجھ سکے - موسیٰ و خضر کا قصہ ہر وقت پیش نظر رکھ اور یقین کر لے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے ؛ نتائج ہمیشہ باطن پر مترتب ہوتے ہیں - ظاہر پرست رموز قدرت کو نہیں سمجھ سکتے - سزا و جزا روح کے لیے ہے جو باطن پر متصرف رہتی ہے اور ہمیشہ دل کے اندر اور نیت پر حکمران ہے - یہ ظاہری ارکان و جوارح اسی مادے میں مل جائیں گے اور یہیں رہیں گے ، لہٰذا ان کے حرکات کا کوئی اعتبار نہیں - وہ قاضی و مفتی جاہل اور نور لانور یزدانی سے دور ہیں جو ظاہری افعال و حرکات پر حکم دیتے ہیں - خضر و موسیٰ کے قصے میں اس لاہوت اکبر نے موسیٰ کی تائید نہیں کی جو ظاہر پرستی کر رہے تھے ، بلکہ خضر کے موافق فیصلہ کیا جو رموز باطنی اور ارادۂ صمدانی کو سمجھ رہے تھے - اسی طرح دیکھو ابراہیمؑ نے جب بی بی کو بہن بتایا تو ظاہر پرست بہت گھبرائے کہ پیمبر کی عصمت میں فرق آ گیا - مگر ان کی جہالت ہے - خدا ابراہیمؑ کے دل کو دیکھ رہا تھا -

الحاصل اے حسین ! تو خوب سمجھ لے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور خدا باطن کا طرف‌دار ہے - تجھے شیخ اور مرشد کی اطاعت آنکھیں بند کرکے اسی طرح کرنی چاہیے جیسی اطاعت کی خواہش خضر نے موسیٰ سے کی تھی - “

حسین : (سینے پر ہاتھ رکھ کے) بے شک میں ایسی ہی اطاعت کروں گا ۔ مگر کیا معاصی اور برے کاموں کا بھی بے سمجھے ارتکاب کرلینا چاہیے؟

شیخ : (نہایت ہی جلال کے ساتھ اور آنکھیں سرخ کر کے) کیا تجھے یہ گمان ہے کہ مرشد برے کام کا حکم دے گا ؟

حسین : (ڈر کے اور اخلاقی کمزوری کی شان سے) نہیں ! لیکن ممکن ہے کہ مرید اور عقیدت کیش کو وہ فعل گناہ نظر آتا ہو؟

شیخ : ہاں ممکن ہے ، مگر اس کا باطن گناہ نہیں ، اور نتائج صرف باطن پر مترتب ہوتے ہیں ۔

حسین : مگر اسی باطن پر جو مرتکب اور کرنے والے کے دل میں ہو ۔ میں ایک فعل کا ارتکاب کروں تو اس کے نتائج اسی نیت پر مترتب ہوں گے جو میرے دل میں ہے ۔ اگر مجھے اس کا باطنی اچھا رخ نہیں معلوم تو خواہ مخواہ میری نیت بھی بری ہوگی ، اور جب میری نیت بری ہوگی تو نتیجہ بھی اس نیت کے مطابق برا ہونا چاہیے ۔

شیخ : (جوش میں آ کے اور آنکھیں سرخ کرکے) تو کیا تیرے نزدیک شیخ کی نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے؟ اور اس پہلے رازِ لاہوتی کے تسلیم کرنے سے تجھے انکار ہے؟

حسین : (شیخ کے قدموں پر گر کے) ہر گز نہیں ! مگر میری یہ باتیں محض اس لیے ہیں کہ ''لیطمئن قلبی[۱]'' اور

---

۱ ۔ قرآن پاک کی آیت ہے ۔ تا کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہوجائے ۔

خدا وہ روزِ بد نہ لائے کہ میں شیخ کی نیت پر شبہ کروں۔

یہ جواب سن کے شیخ نے حسین کو اُٹھا کے سینے سے لگایا اور اس کی پیٹھ پر شفقت کا ہاتھ پھیر کے کہا: "سن! بے شک تیرے دل میں ابھی شکوک آتے ہوں گے مگر اس راہِ باطن میں جو جو قدم آگے بڑھائے گا تجھے نظر آتا جائے گا کہ مرید کی وقعت ایک بے جان آلے سے زیادہ نہیں۔ مرید بعینہ ایک تلوار ہے جس کے قبضے پر شیخ کا ہاتھ ہو۔ اور تو سمجھ سکتا ہے کہ تلوار برے بھلے جس کا سر چاہے اڑا دے، مگر الزام یا تحسین کی نسبت تلوار سے نہیں کی جا سکتی، بلکہ یہ چیزیں اسی کی طرف منسوب ہوتی ہیں جو اس تلوار کو ہاتھ میں لیے ہو۔ یقین ہے کہ اب تیرا شک رفع ہوگیا ہوگا اور تو سمجھنے لگا ہوگا کہ مرید کے افعال کا باطنی پہلو شیخ کی نیت سے متعلق ہے نہ خود مرید کے ارادے سے۔ جب اس طرح اطاعت و مستعدی دکھا کے انسان ارادت کے مدارج طے کر چکتا ہے اس وقت ارشاد کے درجے کو پہنچتا ہے اور اسی وقت سے اس کی نیت قابل اعتبار اور بنائے نتائج ہوتی ہے۔ لیکن جب تک وہ ارادت کے درجے طے کر رہا ہے اس کے ارادوں اور اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس وقت تک اس کے ہر قول و فعل کا ذمہ دار شیخ اور مرشد ہے۔"

**حسین** : (جوش و خروش سے شیخ کا ہاتھ چوم کر) بے شک بجا ہے۔ اب میری آنکھوں کے سامنے سے حقیقت کا پردہ اُٹھ گیا اور مجھے کسی حکم کی تعمیل میں عذر نہ ہوگا۔

**شیخ** : حسین! مرید کے سر یہ بڑی نازک ذمہداری ہے۔

اس سے زیادہ نفس کشی کیا ہوسکتی ہے کہ انسان
اپنے دل اور اپنی عقل کو اپنے افعال سے بالکل الگ
کر دے ؛ مگر تو غور کرے گا تو معلوم ہو جائے گا
کہ یہ احکام الٰہی اور رفتار زمانہ کے بالکل موافق
ہے - جن کاموں کی تعمیل خضر نے کی اور جن میں
موسیٰ سے مدد لی ان کا باطنی پہلو صرف خضر کے
دل میں تھا اور موسیٰ کی نیت میں وہ قطعی معاصی
تھے ، مگر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ نے
گناہ کیا اور اتنے اتنے بڑے کبائر میں شریک ہوئے -
یسا کیوں ہوا ، محض اس لیے کہ اس عالم باطنی میں
خضر مرشد اور موسیٰ مرید تھے - اس کی تعمیل
خود ظاہر پرستوں میں روز ہوتی رہتی ہے - طبیب
بظاہر نہایت حار بلکہ سمی دوا دیتا ہے اور مریض
اگرچہ اس کے منافع سے بے خبر ہے مگر بلا تامل
کھا لیتا ہے اور نتیجہ وہی ہوتا ہے اور وہی سمجھا
جاتا ہے جو طبیب کی نیت میں ہے - ماں باپ لڑکے
کو کسی کام پر مارتے ہیں ، لڑکا اس کام کو اپنے دل
میں اچھا سمجھ کے کرتا ہے مگر ماں باپ اپنے ہی دل
اور اپنے ہی خیال کی مضرت کی بنیاد پر مارتے ہیں
اور اس مار کا نتیجہ ہر ایک کے نزدیک اچھا—"

یہ تقریر ایسی مؤثر تھی کہ حسین اس سے زیادہ سننے
کی تاب نہ لا سکا اور ایک نہایت بے خودی کی وضع سے جوش
میں آکے چلا اٹھا : "بے شک آپ بجا فرماتے ہیں - میرے دل کو
اطمینان ہوگیا ، اور کبھی کسی حکم سے سرتابی نہ کروں گا -"

اس علم غیب اور اس مدلل تقریر نے حسین کو شیخ

علی وجودی کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ اب اس کی نظر میں سوا شیخ کے اور کسی چیز کی ہستی نہ تھی - اس کے کانوں میں ہر وقت شیخ کی آواز گونجتی ، اس کی آنکھوں کے سامنے ہر گھڑی شیخ کی تصویر پھرتی اور اس کے دل میں ہر لحظہ شیخ کے احکام کا انتظار رہتا - زمرد کی تصویر بھی اب اس طرح ہمیشہ پیش نظر نہ تھی بلکہ کبھی کبھی خانقاہ کے حجرے میں لیٹ کے وہ زمرد کے خیال کی طرف متوجہ ہو کے کہتا : "پیاری زمرد ! تو نے مجھے کہاں بھیجا ہے کہ خود تجھے بھولا جاتا ہوں ؟" الغرض اب پورے کمال کے ساتھ اسے فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل تھا -

حسین کو ارادت و عقیدت مندی کے ساتھ شیخ کی خدمت کرتے گیارہ مہینے گزر گئے ؛ اس زمانے میں ایک مرتبہ تین مہینے کے لیے وہ غائب رہے اور کسی ایسے سفر پر گئے جس کو انھوں نے بالکل راز رکھا - حسین ان کی غیبت میں بھی اسی خانقاہ میں رہا مگر اتنی مدت میں اُسے معلوم ہو گیا کہ شیخ علی وجودی کے مرید و معتقد کن کن شہروں میں اور کتنی کتنی دور پھیلے ہوئے ہیں - جن کا معمول تھا کہ سال میں ایک مرتبہ دور دراز کا سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نئے نئے عجیب و غریب احکام سن کے واپس جاتے اور ان کی فوراً تعمیل ہوتی - ایک طرف خراسان ، مکران ، سیستان ، فارس ، رودبار ، آذربائجان ، عراق عرب اور عراق عجم کے مرید آتے اور دوسری طرف عمان ، حضرت موت ، حجاز ، یمن ، زنجبار ، مصر ، طرابلس الغرب ، الجزیرہ اور تمام علاقہ افریقہ و ایشیائے کوچک کے معتقد - یہ سب لوگ مختلف وضع و لباس میں ہوتے اور پوشیدہ ہی پوشیدہ اکثر راتوں کو

شیخ سے مل کے صبح ہونے سے پہلے ہی چلے جاتے - حسین اس امر کو نہایت ہی وقعت کی نظر سے دیکھتا کہ شیخ کے خوشہ چین اور ارادت مند کن کن اقطار عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور اتنے بڑے اثر اور حکومت کے ساتھ بظاہر وہ کس سادگی اور بے نفسی کی زندگی بسر کرتے ہیں -

ایک رات کو شیخ کے گرد دس بارہ مریدوں کا مجمع تھا ، حسین بھی نہایت ہی ادب کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھا تھا اور شیخ کی زبان فیض ترجمان بہت بڑے بڑے رموز حکمی و روحانی کھول رہی تھی - ایک شخص نے جو مصر سے آیا ہوا تھا ادب سے مگر شک کرنے کے لہجے میں کہا : "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان جب اس جسم خاکی کو اسی خاک‌دان میں چھوڑ جاتا ہے تو جنت کی مسرتوں میں اسے کیوں کر لطف آتا ہے ؟"

اس کے جواب میں شیخ نے کسی قدر برہمی سے کہا : "بعینہ اسی طرح جس طرح کہ تم دنیا میں اس جسم کے ساتھ مزہ اٹھاتے ہو -"

**شخص** : کیوں کر ؟ لذت اور درد تو صرف جسم کے لواحق میں سے ہیں ؟

**شیخ** : (ذرا اور جوش میں آکے) روح گو بے جسم ہوتی ہے مگر اسے معلوم یہی ہوتا ہے کہ گویا جسم میں ہے -

**شخص** : یہ کیوں کر ہو سکتا ہے ؟ جب مادے کی کثافت ہی نہیں ہے تو اسے متشکل اور متحیز کون چیز کرتی ہے ؟

یہ سن کے شیخ کی برہمی اعتدال سے زیادہ ہوگئی - انھوں نے حسین کو پکار کے قریب بلایا اور کہا : "بتا جب تو

کرہ البرز کی گھاٹی ، کوہ جودی کے غار اور شہر خلیل کے تیرہ و تار تہ خانے میں تھا اس وقت میرے وہاں موجود ہونے اور تیری ہر حالت کے دیکھتے رہنے کا تجھے یقین ہے ؟"

حسین : (سینے پر ہاتھ رکھ کے) بے شک ہے - گو میری ناتواں آنکھیں نہ دیکھتی ہوں مگر حضرت کا جلوہ ضرور موجود تھا، ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہاں کے رموز آپ کو معلوم ہو سکتے -

یہ سن کے شیخ نے ذرا فخر و ناز کی شان سے گرد کے لوگوں کو دیکھا اور سب کے بعد اس شخص کے چہرے پر جس نے شک کیا تھا اپنی تیز نظریں جما دیں۔ مگر اس کے دل کو ابھی اطمینان نہیں ہوا تھا - شیخ علی وجودی کی اتنی برہم مزاجی دیکھ چکنے پر بھی معترضانہ طریقے سے بول اٹھا : "بے شک آپ وہاں موجود ہوں گے اور حسین کی ہر حالت کو دیکھ رہے ہوں گے مگر صرف آپ کی روح تھی اور متشکل نہیں ہوئی تھی - ایسا ہوتا تو حسین آنکھوں سے بھی آپ کے نورانی جمال کو دیکھ لیتا -

یہ سنتے ہی شیخ کو تاب نہ رہی ؛ زور میں آ کے اٹھ کھڑے ہوئے ، آنکھوں کی چمک دو چند ہو گئی ، منہ میں کف بھر آیا اور اس شخص کی طرف دیکھ کے کہا : "یہ مشت خاک نہایت ہی سرکش ہے ! یہ اس نور لانور کے شہود و وجود کو نہ سمجھ سکتی ہے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتی ہے -کسی کو یہ راز بھی نہیں معلوم کہ دنیا کیوں ہے اور یہ روح لطیف اس پیکر خاکی میں ایک مدت تک کیوں قید رکھی جاتی ہے ؟ اس کا راز مجھ سے سنو - میں وہ شخص ہوں جو سروشستان اور عالم

لاہوت کا ایک آن میں دورہ کر آتا ہوں - اور ان رموز کو جو اس اولی تنوع نور لاہوتی یعنی عرش اعلی کے اطراف میں لکھے ہیں پڑھ آتا ہوں - اصل یہ ہے کہ جسم میں آنے سے پیشتر روح مجرد میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ کسی مادی مسرت سے لطف اٹھا سکے - اس وقت وہ محض مجرد ہوتی ہے اور حظوظ و لذائذ سے فائدہ یاب ہونے کے طریقوں سے بالکل بے خبر - صرف اسی چیز کا سبق لینے کے لیے وہ اس جسم خاکی میں رکھی جاتی ہے - وہ محدود زمانہ جسے تم زندگی کہتے ہو اور ہم روحوں کے کمال حاصل کرنے کا مدرسہ صرف اس لیے ہے کہ روح لطیف اس مادے کے ساتھ علائق پیدا کرکے ہر قسم کی لذتوں اور ہر قسم کے الموں سے اتنی آشنائی پیدا کرلے کہ اس سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی جب چاہے اپنے آپ کو متحیز و متشکل اور لذت و الم سے متاثر کرسکے - جس طرح کوئی شخص مدارج روحانی طے کرنے کے بعد یہ صلاحیت اور قوت حاصل کرلیتا ہے کہ اس جسم میں رہنے کی حالت میں بھی اپنے آپ کو غائب یا روح مجردہ کی طرح غیر متشکل و غیر متحیز بنا لے اسی طرح روح انسانی عموماً اس جسم خاکی کے حجرے میں بند ہو کے اتنا چلہ کھینچ لیتی ہے کہ اس کے چھوڑنے کے بعد بھی جب چاہے اپنے آپ کو جسم اور شکل میں ظاہر کر دے - پھر اس کا کمال اس درجے کو پہنچ جاتا ہے کہ جس اور جیسی شکل میں چاہے نمودار اور آشکارا ہوجائے - بہت سے با کمال بزرگوں یا شہیدوں کو سنا ہوگا کہ آن کے جسم تو قبر کے کونے میں پڑے سڑ رہے تھے مگر روح اکثر لوگوں کی نظر کے سامنے اپنی سی یا کسی دوسری شکل میں نمودار ہو گئی- صرف ایک روح ہے جس نے بغیر جسم میں آئے اس کمال کو حاصل کرلیا - اس سے مراد

جبرئیل ہیں جو کبھی وحیۂ کلبی اور کبھی دیگر پیکروں میں رسول اللہ کے سامنے نمودار ہوئے۔ مگر اس راز کا جاننے والا اس عالم میں سوا میرے کوئی نہیں کہ جبرئیل نے یہ کمال روحی کیوں کر حاصل کیا۔ سنو! مسیح کی ولادت کو اسی رمز سے تعلق ہے۔ جبرئیل ہی تھے جو مریم صدیقہ کے جسم میں حلول کرکے مسیح کی صورت میں متحیز ہوئے اور تھوڑے ہی زمانے میں اپنا روحی کمال حاصل کرکے چلے گئے۔ مسیحیوں کو دھوکا ہوا کہ خدا تھا۔ مگر نہیں، وہ صرف ایک روح تھی جو ایک جسم سے جس میں دوسری روح بھی موجود تھی، کمالات جسمانی حاصل کرکے آسمان پر چلی گئی۔ مسیح کی روح ایک دوسری روح تھی جو ان کے جسم میں تھی۔ مگر اسی کے ساتھ جبرئیل کی روح بھی ان کے پیکر میں اتر کے چند روز رہی اور مسیح کے جسم سے آلوہیت کی شان نمودار کرکے غائب ہوگئی۔ مُردوں کو زندہ کر دینا یہ مسیح کا کام نہ تھا بلکہ صرف جبرئیل کی ملکوتی قوت کا مشہور و مسلم نتیجہ تھا جس کا تجربہ لوگوں کو موسیٰ کے عہد میں بھی ہوچکا تھا[1]۔ مگر جن کو خدا نے چشم بینا نہیں دی آج بھی نہیں سمجھ سکتے اور مسیح کے اس معجزے

---

۱۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جناب موسیٰؑ جب بحر قلزم کے اندر داخل ہوگئے تو فرعون نے بھی تعاقب کے لیے بڑھنا چاہا مگر اس کا گھوڑا نہ بڑھتا تھا۔ اس وقت جبرئیل ایک گھوڑی پر سوار نمودار ہوئے اور بڑھے جن کے ساتھ ہی فرعون کا گھوڑا بھی قعر دریا میں اترنے لگا۔ سامری نے جبریلؑ کی گھوڑی کے قدم کے نیچے کی مٹی اٹھا کے رکھ لی تھی اور اس مٹی کے ڈالنے سے وہ گوسا لا بولنے لگا جس کی بنی اسرائیل نے پرستش کی تھی۔

کو یاد کر کے پریشان ہوتے ہیں ۔ الغرض یہی متحیز و متشکل ہو سکنے کا کمال ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے ہر روح دنیا میں آئی ہے اور یہاں سے جانے کے بعد اسی کمال کے مطابق جنت و دوزخ میں اپنے کردار کا جزا و ثواب پاتی ہے ۔

تم میرے کمالات سے ناواقف ہو ۔ میں وہ شخص ہوں کہ خود ہی نہیں بلکہ ہر شخص کو اس ملاء اعلیٰ پر پہنچا کے وہاں کی ہر چیز دکھا سکتا ہوں ۔ اور میرے اختیار میں ہے کہ جنت کے روحانی پیکروں کو اس جسم خاکی کے سامنے لا کے کھڑا . . . . . . . . . .''

شیخ نے یہیں تک کہا تھا کہ حسین روتا اور التجا کرتا ہوا ان کے قدموں پر گرا اور کہا : ''یا حضرت ! مجھے کسی مسئلے میں شک نہیں مگر اتنی تمنا ہے کہ اس مروشستان اور جنت میں ہو آؤں ۔ وقت آگیا کہ اپنی التجا آپ کے سامنے پیش کروں اور یقین ہے کہ محروم نہ رہوں گا ۔''

حسین دیر تک شیخ کے قدموں پر لوٹتا رہا ، مگر شیخ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ چند ساعت تک خاموش کھڑے رہے ، پھر اس کو اٹھا کے بٹھایا اور کہا : ''حسین ! میرے اس وقت کے جوش سے تونے بہت بڑا فائدہ اٹھایا ۔ خیر ، اب اس وقت تو تامل کر ؛ کل تنہائی میں پھر درخواست کرنا ۔ بے شک وقت آگیا ہے کہ تجھے اس محنت و ریاضت کا پھل ملے ۔ مگر ابھی تیرا امتحان باقی ہے اور سخت امتحان ۔ مجھے ابھی دیکھنا ہے کہ تونے کہاں تک اپنے آپ کو مرشد کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور یاد رکھ کہ جس قدر تجھے مرشد کا حکم بجا لانے میں تامل ہوگا اسی قدر اپنا مقصد حاصل کرنے میں دیر ہوگی ۔''

سب مرید رخصت ہو کے چلے گئے؛ حسین بھی جا کے اپنے بچھونے پر لیٹا - مگر یہ رات اسے نہایت ہی انتظار و اضطراب میں گزری اس لیے کہ "آتش شوق تیز تر گردد" کا مضمون تھا - صبح کو نماز کے بعد جیسے ہی شیخ شریف علی وجودی نے وظیفے سے فراغت پائی، اوراد ختم کرکے بیٹھے ہی تھے کہ حسین جا کے قدموں پر گر پڑا اور چلایا: "اب زیادہ صبر کی تاب نہیں - آپ کو سب حالات خود ہی معلوم ہیں - مجھے کہنے کی بھی ضرورت نہیں - مگر خدا کے لیے زمرد سے جلدی ملائیے -"

**شیخ** : بہتر؛ تو زمرد سے ملے گا، اس کے وصل سے کامیاب ہوگا - مگر اس کے لیے اچھی طرح تیار ہے؟

**حسین** : دل و جان سے تیار -

**شیخ** : دیکھ تجھے تامل نہ ہو ؟

**حسین** : ذرا نہیں -

**شیخ** : تیرے دل میں شک اور بدعقیدگی نہ پیدا ہو ؟

**حسین** : ہرگز نہیں -

**شیخ** : وہ جرأت کا کام ہے !

**حسین** : میں جان لڑا دوں گا -

**شیخ** : اس میں خطرے بھی ہیں ؟

**حسین** : ہوں -

**شیخ** : تو سن !

**حسین** : ارشاد ؟

**شیخ** : یہی نہیں، دل مضبوط کر لے -

**حسین** : خوب مضبوط ہے -

**شیخ** : مجھے معلوم ہے کہ تو نے کتب درسیہ امام نجم الدین نیشاپوری سے پڑھی ہیں اور انھیں کا تو مرید بھی ہے -

حسین : (حیرت سے) بے شک ہوں ؛ پورے پانچ سال اُن کے
حلقۂ درس میں شریک رہا ۔

شیخ : تیرے دل میں ان کی کتنی وقعت ہے ؟

حسین : تمام عالم میں آپ کے بعد بس انھیں کو بہت بڑا
عالم و فاضل ، بہت بڑا خدا شناس اور سب سے زیادہ
متقی و پرہیزگار سمجھتا ہوں ۔

شیخ : خیر تو جا ، ان کے طلبہ میں پھر شریک ہو ، اور
جس وقت موقع ملے ان کو قتل . . . . .

شیخ کی زبان سے اتنا ہی نکلا تھا کہ حسین نے ایک
چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا ۔

تیسرا باب

# ملاء اعلیٰ کا سفر

امام نجم الدین نیشاپوری اس عہد کے بہت بڑے امام تھے - تمام زمانے میں اُن کی نیک نفسی اور اُن کے علم و فضل کی شہرت تھی اور شاید کوئی مقام نہ ہوگا جہاں ان کے شاگرد مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی مقتدائی نہ کر رہے ہوں - حسین کے وہ استاد و مرشد ہی نہیں بلکہ چچا بھی تھے - اُن کا اصلی وطن شہر آمل میں تھا مگر کم عمری ہی میں طلب علم کے شوق میں گھر سے نکل گئے تھے - دنیا کی بڑی بڑی درس گاہوں میں شریک ہو کے بغداد پہنچے؛ ایک مدت دراز تک مدرسۂ نظامیہ کی طالب علمی کی - پھر مشرقی بلاد علم کی سیاحت میں مشغول ہوئے؛ بخارا و ہرات کی علمی صحبتوں میں شریک ہو کے اور وہاں کے علما کی درس گاہوں سے خوشہ چینی کرکے نیشاپور میں آئے اور وہیں متوطن ہوگئے - اب ان دنوں وہ علم و فضل کے بڑے مرکز اور خداشناسی کے نام ور قطب بنے ہوئے تھے - حسین نے ایک ایسے نیک نفس اور با خدا عزیز کے قتل کرنے کا حکم سنا تو یکایک کچھ ایسی حیرت و پریشانی غالب ہوئی کہ بے ہوش ہوگیا -

شیخ علی وجودی نے اس کے ہوش میں لانے کی کوئی

تدبیر نہ کی بلکہ اسی طرح زمین پر پڑا رہنے دیا ۔ تھوڑی دیر تک تو وہ انتظار کرتے رہے کہ حسین خود ہی ہوش میں آ کے حکم بجا لانے کا وعدہ کرے مگر جب اسے ہوش آنے میں دیر ہوئی تو اسی طرح چھوڑ کے ایک دوسرے حجرے میں چلے گئے ۔

شاید دو گھنٹوں کے بعد حسین کو ہوش آیا اور اس کے ساتھ ہی شیخ کا واجب التعمیل حکم بھی یاد آیا ۔ قریب تھا کہ دریائے غفلت میں پھر ایک غوطہ لگائے مگر سنبھلا اور اُٹھ کے چاروں طرف دیکھا ؛ شیخ علی وجودی غائب تھے اور تنہا وہی وہ تھا ۔ گزشتہ باتوں کو یاد کرکے حیرت کرنے لگا : ” کیا مجھے شیخ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ؟ بے شک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ۔ ایسے نیک نفس اور حقیقت بین شیخ نے تو اس قسم کے سخت ظلم و گناہ کا حکم نہ دیا ہوگا ۔ مجھے قتل عمد کی ہدایت اور قتل بھی کس کا ؟ شیخ نجم الدین نیشاپوری کا ، جن سے بڑا عالم و فاضل اس وقت صفحۂ ہستی پر نہیں ! یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی ۔ مگر فرض کیا جائے کہ شیخ نے یہی حکم دیا ہے تو کیا یہ مجھ سے ہوسکے گا کہ اپنے استاد مرشد اور باخدا چچا کو قتل کر ڈالوں؟ (کانپ کر) بہت مشکل معلوم ہوتا ہے ۔ دنیا کیا کہے گی ؟ اور پھر دین میں بھی تو ہے کہ ”من قتل مومناً متعمداً فقد کفر ۔“ اس حکم کو بجا لا کے سوا اس کے کہ روسیاہیِ دارین حاصل کروں اور کوئی فائدہ نہیں نظر آتا ۔ بس ”خسر الدنیا و الاخرة“ کے سوا اور کچھ نہیں ۔ لیکن ہاں شیخ نے کہا تھا کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے ؛ اس میں بھی کوئی فائدہ ضرور متصور ہوگا ۔ حقیقت بینی اور رموز قدرت جاننے میں امام نجم الدین ، شیخ علی وجودی کا

مقابلہ نہیں کر سکتے ، اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ شیخ علی وجودی کی نیت بری ہے - کوئی تعجب نہیں اگر کسی روحانی مصلحت سے انھوں نے بہ ظاہر ایسے مکروہ کام کا حکم دے دیا ہو - واقعی اگر یہی حکم ہوا ہے تو مجھے تامل نہ کرنا چاہیے- یہ میرا پہلا امتحان ہے ، اگر ذرا بھی عذر کیا تو گنہ گار بھی ہوں گا اور زمرد کے وصال سے بھی محروم رہوں گا - اس تعمیل حکم میں دینی فائدہ تو بدیہی ہے کیوں کہ شیخ کا امر واجب الاذعان ہے - باقی رہی دنیاوی بدنامی ، اول تو اس کی کوئی ہستی نہیں ، اور اگر کسی قدر ہے بھی تو اس کے عوض میں یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ پیاری زمرد کی ہم کناری اسی زندگی میں نصیب ہو جائے گی - بے شک مجھے کسی قسم کا عذر نہ کرنا چاہیے -

دل میں یہ خیالات جما کے حسین حجرے سے نکلا اور مختلف حجروں میں ڈھونڈتا ہوا اس حجرے میں پہنچا جس میں شیخ علی وجودی تھے - ان کی صورت دیکھتے ہی قدموں پر سر رکھ دیا اور چلایا : ”مجھے وہ حکم نہیں یاد رہا ، جلدی بتائیے کہ تعمیل کو روانہ ہوں -“

شیخ : دیکھو تمھیں اب کی تامل نہ ہو - مجھے اندیشہ ہے کہ تمھارے دل میں بدگمانی پیدا ہو اور تم اپنی ساری محنت ضائع کر دو - خوب یاد رکھو کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے -

حسین : خوب یاد ہے اور مجھے ذرا تامل نہ ہوگا -

شیخ : تو جاؤ امام نجم الدین نیشا پوری کو قتل کر دو -

حسین : (دل کو مضبوط کر کے) بہتر، لیکن اگر میں مار ڈالا گیا؟

شیخ : کوئی مضائقہ نہیں ؛ بلا زحمت زمرد سے جا ملو گے -

مگر مجھے معلوم ہے کہ ایسا نہ ہوگا ۔

حسین : تو میں رخصت ہوتا ہوں ۔

شیخ : ٹھہرو! (ایک تیز خنجر نکال کے) لو! اس خنجر کو اپنے پاس چھپا کے رکھو اور جس وقت موقع ملے اسی سے کام لینا ۔

وہ مرشد کا عطا کیا ہوا خنجر لے کے حسین نے اپنے استاد کی جان لینے کے لیے مشرق کی راہ لی ۔ ڈیڑھ مہینے بعد بغداد پہنچا ؛ وہاں سے چل کے اصفہان اور اصفہان سے ایک مہینے بعد نیشاپور پہنچ گیا ۔ حلب سے نکلے چار مہینے ہوئے تھے کہ وہ امام نجم الدین کی درس گاہ میں حاضر ہوگیا ۔ امام موصوف پہچانتے ہی بغل گیر ہوئے اور بے انتہا شفقت سے پیش آئے ۔

ڈہر کے خطوط سے انھیں یہ خبر معلوم ہو چکی تھی کہ حسین ایک شریف لڑکی کو ساتھ لے کے بدنامی کے ساتھ نکل گیا ۔ جس کا تذکرہ کرکے انھوں نے افسوس کیا اور کہا : "حسین! مجھے ایسی امید نہ تھی کہ علم کو اس ذوق و شوق سے حاصل کرکے تم اس کی بے حرمتی کرو گے ۔"

حسین : یا عم! میں کسی بری نیت سے نہیں گیا تھا ؛ زمرد کا عقد میرے ہی ساتھ ہونے والا تھا اور وہ حج کی بے انتہا مشتاق تھی ۔ اسی علم دین کی وجہ سے مجھے نہ گوارا ہوا کہ اس کی اس دینی خواہش کا لحاظ نہ کروں ، بے تامل ساتھ لے کے چل کھڑا ہوا ۔

امام : اور اب وہ کہاں ہے ؟

حسین : جبال طالقان کی گھاٹیوں میں پریوں کے ہاتھ سے مار ڈالی گئی ۔

امام : (مسکرا کر) ایسا مہمل و بے سر و پا قصہ بنانے سے

کیا حاصل جسے کوئی تسلیم ہی نہ کرے گا ؟

حسین : جس بے تکلفی سے میں نے یہ قصہ بیان کر دیا ہے ، اسی سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ میرے بیان میں کسی بناوٹ کو دخل نہیں -

امام : خیر اب یہاں کس غرض سے آئے ہو ؟

حسین : آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے کے لیے - زمرد کے غم میں میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ علائق دنیوی کو چھوڑ دوں اور چاہتا ہوں کہ یہ باقی ماندہ زندگی تحصیل علم ہی میں صرف ہو جائے -

امام : اگر ایسا ہے تو خدا تمھارے ارادے میں برکت دے اور تمھیں توفیق ہو کہ میرے بعد اس درس گاہ کے مالک بنو -

الغرض حسین امام نجم‌الدین کے خوشہ چینوں میں شامل ہوگیا ، اور چوں کہ بھتیجا تھا ، ان کے دل میں روز بروز اپنا زیادہ اعتبار پیدا کرتا گیا - مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنا موقع بھی ڈھونڈ رہا تھا - امام اکثر اوقات طلبا اور معتقدین کے مجمع میں رہتے جس کی وجہ سے تین مہینے گزر گئے اور حسین کو خنجر نکالنے کا موقع نہ ملا - چوتھے مہینے میں چھ ہی دن گزرے تھے کہ اتفاقاً امام کو شدت سے بخار آیا اور کئی دن تک درس و تدریس کا سلسلہ موقوف رہا - اس بیکاری کے زمانے میں اکثر طلبا تو ادھر ادھر سیر میں رہتے مگر حسین نے شیخ کی تیمار داری میں انتہا سے زیادہ گرم جوشی اور سعادت مندی دکھائی - شب و روز ان کی دیکھ بھال اور خدمت‌گزاری ہی میں مصروف رہتا -

امام کو بخار آئے چھٹا دن تھا کہ ایک رات کو اتفاقاً

ان کے حجرے میں اکیلا حسین ہی تھا - رات زیادہ آچکی تھی اور امام بچھونے پر لیٹے ناتوانی کی آواز میں اس سے باتیں کر رہے تھے - حسین خلاف معمول آج زیادہ خاموش تھا - ان کی باتوں پر ہنکاری تو ضرور بھرتا جاتا تھا مگر اس کے سوا کوئی اور لفظ اس کی زبان سے نہ نکلتا تھا - کئی مرتبہ امام کو تعجب بھی ہوا ، بلکہ ایک مرتبہ پوچھنے لگے : "حسین آج تم خاموش کیوں ہو؟" مگر حسین نے "یوں ہی" کہہ کے ٹال دیا - حسین ساکت تھا اور بار بار باہر نکل کے تاروں سے دریافت کرتا تھا کہ رات کتنی آئی - آخر آدھی رات گزر گئی اور حسین کو اطمینان ہو گیا کہ اب صبح تک کوئی نہ آئے گا - اس بات کا یقین کر کے اس نے حجرے کا دروازہ خوب مضبوطی سے بند کرلیا اور پاس جا کے دیکھا تو امام کی بھی آنکھ لگ گئی تھی - دیر تک کھڑا ان کی صورت دیکھتا رہا - اس کی آنکھوں میں خون اترتا آتا تھا اور ساعت بہ ساعت اپنے استاد اور بزرگ پر کاری وار کرنے کے لیے زیادہ تیار ہوتا جاتا تھا - اس قسم کے خوں ریز کاموں سے وہ کبھی آشنا نہ تھا ؛ دل کو زور دے دے کے ابھارتا تھا مگر خیالات ایسا پلٹا کھاتے کہ بار بار ہمت ہار دیتا - حجرے میں ہر طرف سے اسے ایسی خیالی صورتیں نظر آتیں اور ان کا ایسا رعب پڑتا تھا کہ معلوم ہوتا جیسے فرشتے یا کسی اور قسم کے غیر جسمانی مخلوق امام کی حفاظت کر رہے ہیں - خود امام کا چہرہ اس کے خیال کی آنکھوں میں کبھی نہایت ہی نورانی بن کے سفارش کرتا اور کبھی بھیانک اور مہیب نظر آ کے ڈرا دیتا - مگر ان سب خیالات کو اس نے مٹایا ؛ شیخ علی وجودی کا عطا کیا ہوا خنجر نکال کے اس کی باڑھ دیکھی اور یکایک دل مضبوط کر کے امام کے سینے پہ چڑھ بیٹھا - امام نے چونک کے

آنکھ کھولی ہی تھی اور چلانے ہی کو تھے کہ اس کا بایاں ہاتھ آن کے منہ پر اور خنجر ان کے دل میں تھا - چند ہی لمحے میں امام کی روح پرواز کر گئی - خون تمام حجرے میں پھیلا ہوا تھا - بے جان لاش خون آلود کپڑوں میں لپٹی بستر پر پڑی تھی - اور گو یہ کوئی زور آوری کا کام نہ تھا مگر حسین کے دل کو اتنی بڑی شدید حرکت ہوئی تھی کہ کھڑا ہانپ رہا تھا اور بار بار اپنے ہاتھ کے معصوم شہید کی مظلومانہ صورت کو ڈر ڈر کے دیکھتا - آخر حسین نے ان سب چیزوں کو اسی حال میں چھوڑا ، حجرے کے خوفناک سین پر سہمی ہوئی آنکھوں سے آخری نظر ڈالی اور دروازہ کھول کے نکلا - حجرے کا دروازہ باہر سے بند کردیا اور چپکے چپکے قدم اٹھاتا ہوا چلا - شاید زیادہ وقت نہ صرف ہوا ہوگا کہ وہ شیخ کی خانقاہ سے دور نکل گیا -

نیشا پور کے گرد نہایت ہی مضبوط فصیل تھی اور پھاٹک رات کو بند ہوجاتے تھے جس کے سبب سے اس وقت اسے شہر سے باہر نکلنے میں بہت دشواری نظر آئی - مگر وہ جان پر کھیل کے ایک تیرہ و تار بدرو کے ذریعے سے باہر نکلا ، اور نکلتے ہی نہایت تیزی سے بھاگا ، تاکہ صبح ہونے سے پہلے ہی اتنی دور نکل جائے کہ کوئی اُسے نہ پا سکے -

دوسرے دن جب وہ شرق کے پروں سے اُڑتا ہوا خراسان کے مغربی میدان اور جنگل قطع کرتا چلا جاتا تھا ، اس وقت اس کے حواس ذرا ٹھکانے ہوئے اور اپنا ظلم و گناہ یاد آیا جو ہر پہلو سے برا نظر آتا تھا - اس خیال کے مٹانے کی برابر کوشش کرتا تھا مگر بار بار زبان سے ایک آہ کے ساتھ یہ جملہ نکل ہی جاتا تھا کہ "میں بڑا گناہ گار ہوں !" اس کا دل اور

اس کا ایمان اس پر لعنت کر رہا تھا ۔ لعنت اور پھٹکار کی آواز کان میں آتی تھی اور وہ چونک کے کہتا کہ "اس فعل کے ذمہ دار شیخ علی وجودی ہیں" مگر خود ہی دل میں قائل ہوجاتا کہ امام کا کام تو میرے ہاتھ اور میری سنگدلی نے تمام کیا ہے ، ذمہ داری کسی اور کے سر کیوں کر جا سکتی ہے ۔ اب اُس کے دل نے شیخ کے اس اصول میں بھی شک پیدا کیا کہ مرید مرشد کے ہاتھ میں صرف ایک بے جان اور غیر ذمہ دار آلے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ وہ آپ ہی آپ کہنے لگا : "انھیں علمائے روحانین کا یہ مسئلہ اگر صحیح ہے کہ ثواب اور عقاب اُسی لذت و الم کا نام ہے جو اپنے کردار کے نتائج میں خود اپنے کانشنس اور دل کی تحسین و ملامت سے پیدا ہوتے ہیں تو انسان کے فعل کا کوئی دوسرا ذمہ دار نہیں ہو سکتا ۔ فرض کرو کہ میں نے ایک کام کیا اورگو وہ کسی مشیر و صلاح کار کے خیال میں اچھا ہو مگر میرے نزدیک برا اور قابل ملامت ہے تو اس کے ارتکاب پر میرا دل مجھ پر ضرور لعنت کرے گا ۔ اور جب اسی لعنت کے الم کو اصطلاحِ شرع میں عذاب سے تعبیر کیا ہے ، تو بےشک میں دوزخ اور عذاب سے نہ بچ سکوں گا ۔" الغرض خود حسین کے دل نے اسے قائل کیا ؛ اب وہ پچھتا رہا ہے اور سخت روحانی تکلیف میں مبتلا ہے مگر اس کے ساتھ ہی شیخ علی وجودی کی وقعت بھی ویسی ہی دل میں موجود ہے ۔ شیخ کی وہ ایسی ایسی کرامتیں دیکھ چکا ہے کہ ان پر بدگمانی نہیں کر سکتا ، بلکہ بعض اوقات ڈر جاتا ہے کہ شیخ غیب کے اور دلوں کے حالات سے واقف ہیں ، میرے یہ شکوک کہیں ان کو معلوم ہوگئے تو غضب ہوجائے گا ۔ ادھر سے بھی جاؤں گا اور ادھر سے بھی ۔ اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد

بھی زمرد کے وصال سے محروم رہا تو حسرت ہی رہ جائے گی -

حسین اسی قسم کے خیالات دل میں لیے ندامت کے دریا میں غرق اپنے فعل پر پچھتاتا ہوا شہر حلب میں داخل ہوا اور شیخ کے سامنے جاتے ہی قدموں پر گرنے کو تھا کہ انھوں نے اٹھا کے گلے سے لگالیا اور نہایت ہی جوش سے کہا: "حسین ! تو اپنے امتحان میں پورا اترا اور اب زمرد تجھ سے زیادہ تیری مشتاق ہے - اس نور لانور کے انوار ازلی نے تیرے دل پر پورا انعکاس کیا اور تیرے جسم کی اس مشت خاک نے یہ صلاحیت پیدا کرلی کہ اس عالم نور اور سروشستان کی تجلیات کی متحمل ہوسکے -"

**حسین** : مگر یا حضرت ! میرے دل میں اپنے اس ظالمانہ فعل کی نسبت طرح طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں ؟

**شیخ** : (جوش میں آکر) بے شک پیدا ہوتے ہوں گے - روح اس مادے کی کثافت سے بڑی دشواریوں سے علیحدہ ہوسکتی ہے اور صرف یہی چیز ہے جو ان شکوک و شبہات کو پیدا کرتی ہے - وہ مرکز اشراق جو باوجود لاحی ہونے کے حیات سرمدی کا سرچشمہ ہے ، اس جسمانی روح پر جو قفس عنصری میں مقید ہے ، اپنے تنوعات کو بمشکل آشکارا کرسکتا ہے -

**حسین** : مگر ایسے اطمینان بخش نصائح ارشاد ہوں کہ دل سے یہ شبہات نکل جائیں -

**شیخ** : سن اے حسین ! استقلال تیرے شکوک کو دور کردے گا ، بشرطیکہ تو ان کے دفع کرنے کی کوشش میں مشغول رہے - مگر تیرے اطمینان کے لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں تکمیل نفس اسی کا نام ہے اور

یہی منشاء الٰہیات ہے کہ روح کے تعلقات اس جسم سے علیحدہ کیے جائیں ۔ جسمانی افعال پر تصرف کرتے کرتے روح عادی ہو جاتی ہے کہ بلا استعانت مادہ کوئی کام نہ کر سکے ۔ اور وہ روحیں جو جسم کے چھوڑتے وقت تک انہیں مادیات میں پھنسی رہ گئیں وہ بعد میں بھی ہر وقت اپنے گرد مادے کا تیرہ و تار غبار پاتی ہیں ۔ اور یہی چیز اصطلاح شرع میں ان کا دوزخ ہے ۔ نجات کی کوشش یوں ہونی چاہیے کہ زندگی ہی میں روح کے علائق جسم سے کم کر دیے جائیں ۔ اس کوشش کی ابتدا اس سے ہوتی ہے کہ جسم سے ایسے کام لیے جائیں جن سے روح کو تعلق نہ ہو ۔ روح بیتاب ہو ہو کے ان کی طرف متوجہ ہونا چاہے اور انسان بہادری اور مضبوطی سے اسے جبراً روکے ۔ یہی الٰہیات کی تعلیم اولیٰ ہے ۔ دوسری یعنی تعلیم وسطیٰ یہ ہے کہ روح ایسے کام کرے جن سے جسم کو تعلق نہ ہو ۔ جو لوگ دور و دراز شہروں میں اپنی روح سے اثر ڈال دیا کرتے ہیں ان کی نسبت سمجھ لینا چاہیے کہ وہ عالم روحانیات کے اس درمیانی درجے کو طے کر رہے ہیں ۔ اس کے بعد تیسرا درجہ یہ ہے کہ روح جسم سے اتنی علیحدگی حاصل کر لے کہ اس نور لانور کے انکشافات کی جستجو میں مادے سے مبرا و منزہ ہو کے ملکوت اور عالمِ لاہوت کی سیر کرے ۔ اور اس تیسرے درجے یا اس اعلیٰ جستجو کے زمانے میں جو کوئی مر جاتا ہے وہ جسم خاکی کو الوداع کہتے ہی اس نقطۂ اولیٰ یا ذات

واجب الوجود اور علت العلل سے جا ملتا ہے ۔ اس وقت اُسے وہ اعلیٰ کمال روحانی حاصل ہوتا ہے جس کی تحصیل کے لیے اُس نے عالم مادی کی یہ قید اٹھائی تھی اور اس آخشیجستان کے مصائب میں مبتلا ہوا تھا ۔ اب اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو تعلقات جسدی کی مادی تعلیمات سے اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جب چاہے اہل عالم کے سامنے اپنے آپ کو متحیز و متشکل کر کے دکھا دے اور دوسری طرف اُس میں کمال روحانیت و تجرد اس درجے کا ہوتا ہے کہ جب چاہے اس نقطۂ ازل اور اولیٰ مرکز نورلانور سے جا ملے۔ لہٰذا اے حسین ! تو اس مدرسۂ روحانیات کی ابتدائی جماعت میں ہے اور ابھی اسی امر کی مشق کر رہا ہے کہ تیرے ارکان و جوارح سے ایسے افعال و حرکات صادر ہوں جن کی طرف روح بےصبری سے متوجہ ہو اور تو اسے زبردستیاں اور نفس کشیاں کر کے دوسری طرف منسوب کرے ۔ یہ لعنت و ملامت جو تیرا نفس اور تیری روح تجھ پر کر رہی ہے ، اُسی تعلق روحی کا نام ہے جس کے قطع کرنے کی تجھے کوشش کرنا چاہیے ۔ اور جب تو یہ کمال حاصل کر لے گا کہ روح کو تیرے اعضا کے کسی فعل کی طرف توجہ ہی نہ ہو اُس وقت تو دوسرے درجۂ توحید میں قدم رکھے گا ۔

**حسین** : تو میں ان الزاموں اور ملامتوں کی پروا نہ کروں جو خود میرے دل سے مجھ پر پڑ رہی ہیں ؟

**شیخ** : ہرگز نہیں ، اسی امر کی تجھے مشق کرنا ہے اور اس

نور لانور کی طرف توجہ کرنے کا یہی پہلا زینہ ہے ۔

**حسین** : حضرت ! آپ اُس خداوند جل و علا کو نورلانور کیوں فرماتے ہیں ؟ اس کا رمز میں نہیں سمجھ سکا ۔وہ حضرت رب العزت بے شک نور ہے مگر لانور کیوں ؟

**شیخ** : (برہم ہو کے) وہ نقطۂ وحدت اور وہ سرچشمۂ تکوین اس سے بالکل منزہ ہے کہ ہم اپنے مادی خیال کے صفات کو اس کی جانب منسوب کریں ۔ وہ ایسا ہے کہ "لیس کمثلہ شئی" ۔

**حسین** : مگر جب خود اللہ جل شانہ ہی نے ان صفات کو اپنی طرف منسوب کر لیا تو ہمیں کیا تامل ہو سکتا ہے ؟

شیخ علی وجودی کی برہمی کی اب کوئی انتہا نہ تھی ۔ انھوں نے حسین کو غضب آلود اور آتش بار آنکھوں سے گھور کے دیکھا اور بولے : "بے شک انسان ظلوم و جہول ہے ! یہ تیرے خیال میں نہیں آتا کہ ہم بھی محض اُسی کے ارشاد کے بموجب ان صفات کو اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ۔ ہم اسے نور کہتے ہیں مگر چوں کہ ہمارے خیال کے نور سے وہ منزہ ہے ، لہٰذا پھر اسے لانور بھی کہہ دیتے ہیں ۔"

**حسین** : بے شک صحیح ہے ؛ اب میرا اطمینان ہوگیا ؛ اور ان شاء اللہ کبھی اپنے افعال پر نہ پچھتاؤں گا ۔ لیکن اُمیدوار ہوں کہ اب مجھے وہ سروشستان دکھا دیا جائے جہاں میری زمرد ان اجرام فلکی کے پہلو میں بیٹھی جلوہ افگنی کر رہی ہے ۔

**شیخ** : بہتر ۔

یہ کہہ کے شیخ نے اٹھ کے اپنا کتابوں کا صندوق کھولا ، اس میں سے ایک چھوٹی کتاب نکالی ، پھر اس کے ورق الٹ

کے ایک خط نکالا اور اس خط کو حسین کے ہاتھ میں دے کے کہا: "لے! اس خط کو احتیاط سے رکھ اور اسی وقت روانہ ہو کے شہر اصفہان کی راہ لے۔ یاد رکھ کہ اصفہان کے شمالی پھاٹک کے باہر ایک شکستہ اور قریب الانہدام مسجد ہے۔ اس مسجد میں تو ایک فقیر کو پائے گا جو بظاہر تو بھیک مانگتا ہے مگر باطن میں بڑا خدا شناس شخص ہے۔ یہ فقیر ہر وقت ایک دنبے کی کھال اوڑھے رہتا ہے اور انکساراً یہ صدا لگا کے راہ گیروں سے مانگتا ہے کہ "دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ۔" کاظم جنونی[۱] اس کا نام ہے۔ یہ خط لے جا کے اس شخص کے ہاتھ میں دے اور میرا سلام کہہ۔ رات کو وہ تجھے ایک غار میں لے جائے گا، جہاں تو ایک بڑے واقفِ اسرارِ سرمدی سے ملے گا اور اسی وقت سے تو جنت کے مدارج طے کرنا شروع کرے گا اور چند ہی روز کی زندگی میں جو زیادہ تر خواب کی سی ہوگی، فردوس بریں کے اعلیٰ منازل میں جا پہنچے گا۔"

حسین نے یہ خط لے کے شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، پھر رخصت ہونے کے طریقے سے اس کے قدم چومے اور اصفہان کی طرف رخ کر کے چل کھڑا ہوا۔ اب اس کا یہ سفر زیادہ اطمینان بخش تھا۔ گناہ کی ندامت و ملامت کے اثر کو شیخ علی وجودی کی تقریر نے اس کے دل سے بالکل محو کر دیا تھا۔ امید و آرزو کا باغ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا زمرد آ کے ہم کنار ہوا ہی چاہتی ہے۔ الغرض اسی اطمینان اور

۱۔ نسخہ مطبوعہ قومی پریس دہلی ۱۳۲۱ھ میں کاظم جنونی کو بعض مقامات پر کاظم جنوبی لکھا گیا ہے۔ کاظم جنوبی بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن چوں کہ بیشتر مقامات پر جنونی ہے، اس لیے زیر نظر نسخے میں لفظ جنونی کو ترجیح دی گئی اور ہر جگہ کاظم جنونی لکھا گیا۔

ان ہی مسرتوں کے ساتھ بغداد ہوتا ہوا اصفہان پہنچا ۔ شہالی پھاٹک کے باہر مسجد کے دروازے پر متردد کھڑا تھا کہ کان میں آواز آئی "دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ" فوراً دوڑ کے مسجد میں گیا اور شیخ کا خط نکال کے کاظم جنونی کے ہاتھ میں دے دیا جو دنبے کی کھال اوڑھے بیٹھا زور شور سے صدائیں لگا رہا تھا ۔

کاظم جنونی نے حسین کو حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھا اور ایک جوش وحشت کے لہجے میں چلا اٹھا: "حذرا! حذرا! از اہل عالم حذرا!" مگر جب خط کو پڑھا تو فوراً اٹھ کے بغل گیر ہوا اور کہا "میں نہیں سمجھا تھا کہ شجر معرفت کی ایک شاخ تم بھی ہو ۔ آؤ بیٹھو، کھا پی کے آرام لو، رات ہو تو تم کو شیخ الجب[۱] کے پاس لے چلوں ۔ انھوں نے غیابۃالجب اختیار کر لی ہے ۔ دن چوں کہ مظہر نور ہے لہٰذا دن بھر وہ اپنے اوپر انوار لاہوت اکبر کا انعکاس کرتے ہیں اور رات چوں کہ تیرہ و تار اور نمونۂ ظلمت ہے لہٰذا اسی ظلمت میں وہ مادی پیکروں سے ایک گونہ علاقہ پیدا کر لیتے ہیں ۔"

**حسین :** مگر معلوم نہیں مجھ سے گناہ گاروں اور سیہ کاروں سے وہ ملنا بھی پسند کریں گے یا نہیں ؟

**کاظم جنونی :** ضرور ملیں گے ؛ شجر معرفت کی ایک شاخ تم بھی تو ہو ۔

حسین دن بھر اسی مسجد میں رہا اور شام کے بعد جب ایک ثلث رات گزر گئی تو کاظم جنونی اسے ساتھ لے کے بیرونی کوہستان کی طرف روانہ ہوا ۔ بہت سے نشیب و فراز طے کر کے اور کئی گھاٹیوں سے گزر کر کاظم ایک بڑے غار کے دہانے

---

۱ ۔ 'جب' غار کو کہتے ہیں ۔ 'شیخ الجب' یعنی غار والا شیخ ۔ 'غیابۃالجب' یعنی غار میں چھپ کے غائب ہو جانا ۔

پر ٹھہر گیا اور زور سے چلّایا : " یا شیخ العجب ! ظلمتِ مادہ میں ایک جگنو چمکا ہے ۔" مگر کچھ جواب نہ ملا ۔ پھر کاظم جنونی نے پکار کے کہا : " ایک آئینے سے پردہ اٹھا جو تجلیات انوار لاہوتی سے منعکس ہونا چاہتا ہے ۔" اب بھی کوئی آواز نہ آئی ۔ کاظم جنونی پھر پکارا : "ایک آخشیجی پیکر کا مقید اسرار سروشستان جاننے کے لیے بے صبر ہے ۔" اس تیسری صدا پر غار کے اندر سے چٹانوں میں گونجتی اور اندھیرے میں سنسناتی ہوئی آواز آئی : "مرحبا ! جوان آملی مرحبا ! جنت کی ایک حور دو سال سے تیرے فراق میں بیتاب ہے ۔ میں نے اپنی سیر لاہوتی میں ایک طرف اس حور کو فردوس بریں کے کوشکوں میں روتے اور دوسری طرف تجھے راہ طلب میں قدم مارتے دیکھا ہے ۔ اب یہیں سے تجھے لذائذ سروشستانی حاصل ہونے لگیں گے ؛ آ اور قدرت کے کرشمے دیکھ ۔"

اس جملے کے ساتھ ہی غار کی تہ میں ایک روشنی نمودار ہوئی اور کاظم جنونی نے حسین سے کہا : "بس اب آگے میں نہیں چل سکتا ، مجال نہیں کہ ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں ۔"

**حسین :** کیوں؟

**کاظم جنونی :** اگر یک سر موے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

جاؤ اور یقین جانو کہ تم شجرِ معرفت کی ایک شاخ ہو ۔

یہ سنتے ہی حسین نے کاظم جنونی کو اوپر چھوڑا اور خود جوش دل کی بے خودی میں امید و آرزو کے خواب دیکھتا ہوا غار میں اترا ۔ تھوڑی دور تک تو ادھر ادھر کی چٹانوں سے ٹکریں کھاتا رہا مگر جب انتہا پر پہنچ گیا جہاں اسے روشنی نظر آئی تھی تو داہنی طرف ایک زینہ ملا ۔ اس زینے کے ذریعے

سے وہ اور زیادہ نیچے گیا تو اپنے وہم و گمان کے خلاف اس خوفناک کوہستان اور درندوں کے مسکن کے نیچے ایک نہایت ہی وسیع ، عالی شان اور بہت بارونق مکان نظر آیا جس میں ہر طرف کافوری شمعیں روشن تھیں ۔ عود و لوبان سلگ رہا تھا ۔ در و دیوار پر طلائی رنگ پھیر کے نقش و نگار بنائے گئے تھے اور انھیں بیل بوٹوں میں رنگین پتھر اور شیشے کے ٹکڑے جڑے تھے ۔ جن پر شمعوں کا عکس پڑ کے ہر سمت ایک عجب عالم نور پیدا کر رہا تھا ۔ حسین اس تمام سامان عیش کو دیکھ کے مبہوت و از خود رفتہ ہو گیا اور ایک بے صبری کے جوش میں چلا" اٹھا "کیا فردوس بریں یہی ہے ؟"

کہیں قریب ہی سے تسلی آمیز لہجے میں آواز آئی : "نہیں ، مگر سروشستان کی سیر کرنے والوں کے لیے یہ پہلی منزل ہے جس میں ٹھہرا کے وہ اس قابل بنائے جاتے ہیں کہ جنت کی مسرتوں کو یکایک دیکھ کے از خود رفتہ نہ ہو جائیں ۔"

حسین : مگر آپ کون ہیں اور کہاں ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے شکر گزار ہوں ؟

آواز : میں تیرے قریب ہی ہوں ۔

ناگہاں ایک لاجوردی منقش پردہ جو پہلے دیوار کا دھوکا دے رہا تھا ، کھنچ کے نظر سے غائب ہو گیا اور ایک معمر مگر قوی الجثہ اور نہایت ہی نورانی صورت کا آدمی نظر آیا جو زرتار مسند پر گاؤ تکیے سے لگا ہوا عجب بے پروائی و بے نیازی کی شان سے بیٹھا تھا ۔ اس کا نورانی چہرہ آئینے کی طرح صاف تھا اور اس وقت چاروں طرف سے شمعوں اور نیز در و دیوار کے شیشوں کی ضو پڑنے سے آفتاب کی مثل چمک رہا تھا اور سفید لمبی ڈاڑھی مقیش کی جھالر یا آفتاب کی کرنوں کا دھوکا دیتی تھی ۔

حسین یہ نورانی صورت دیکھتے ہی پروانے کی طرح دوڑ کے قدموں پر گرا اور کہا : "فرمائیے آپ کون ہیں ؟ شاید رضوان آپ ہی کا نام ہے؟"

**پیرمرد :** نہیں ، ابھی تو اس تیرہ خاک‌دان عنصری ہی کی حدود میں ہے - مگر ہاں تیری آنکھوں پر سے پہلا پردہ اٹھا ہے - اہل دنیا مجھے شیخ الجبل کہتے ہیں مگر اہل حقیقت کی اصطلاح میں طور معنی کہلاتا ہوں -

**حسین :** (حیرت سے) طور معنی ! حقیقت میں یہی نور ہوگا جو موسیٰ کو طور پر نظر آیا تھا -

**طورمعنی:** مگر تو اسے ستّر ہزار حجابوں کے اندر سے دیکھ رہا ہے -

**حسین :** للہ وہ سب پردے بھی اٹھا دیجیے -

**طورمعنی:** ابھی ان مادی کثیف آنکھوں میں اس کی قابلیت نہیں ، مگر صبر کر ، اسی کا سامان ہو رہا ہے اور یہ سب پردے اٹھ جائیں گے -

یکایک ایک خوبصورت نو عمر لڑکے نے آ کے ایک شربت کا لبریز جام طور معنی کے ہاتھ میں دیا اور طور معنی نے اسے اپنے ہاتھ سے حسین کی طرف بڑھا کے کہا : "لے اس جام کو پی اور ملکوت سے ایک درجہ اور قریب ہو جا -" حسین نے فوراً وہ جام پی لیا جس کے ساتھ ہی اس کا دماغ چکر کھانے لگا اور طور معنی کے سامنے لیٹ کے غافل سو گیا -

اس غفلت اور از خود رفتگی کی نیند میں کئی دفعہ اس کی آنکھ کھلی اور ہر مرتبہ وہ اپنے آپ کو ایک نئے مقام میں پاتا تھا - کبھی سرسبز و شاداب میدانوں میں ہوتا اور کبھی وحشت‌ناک اور پر خطر گھاٹیوں میں - ہر بیداری میں فرشتے یا انسان مگر

کسی غیر معمولی قسم کے لوگ آسے سروشستان سے اور زیادہ قریب ہونے کا یقین دلاتے اور وہ یقین کر لیتا ۔ آخر ایک مرتبہ اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک نئے جوان شخص کے سامنے تھا ۔ یہ شخص حریر سرخ کے کپڑے پہنے تھا جس پر سنہرا کام تھا ۔ اس کے سر پر نہایت ہی قیمتی اور بیش قیمت تاج تھا اور اس میں اعلیٰ درجے کے جواہرات ٹکے ہوئے تھے ۔ حسین کی آنکھ جیسے ہی اس خوب‌صورت نوجوان کے سامنے کھلی ، جو شاہانہ لباس پہنے اور مرصع تاج سر پر رکھے تھا ، نہایت ہی التجا و عاجزی کے لہجے میں کہنے لگا : "امید و انتظار نے بے صبر کر دیا ہے ۔"

**شخص** : اے جسم خاکی! تو مراحلِ تجرد کو طے کر چکا ۔ تجھے نہیں خبر کہ تو آسمان کے قریب اور فردوس بریں کے دروازے پر ہے ۔ اب نہ گھبرا! ملائکہ مقربین تیرے انتظار میں ہیں اور حوریں تیرے لیے بناؤ سنگار کررہی ہیں ۔

**حسین** : اور آپ کون ہیں ؟

**شخص** : میں وہ برزخ ہوں جو لاہوت و ناسوت میں واسطہ ہے ۔ یہی میرا جسم ہے جو کبھی نور بن کے طور سینا پر چمکا تھا ۔ یہی وہ نور ہے جو مسیح کے جسم سے خدائی کی شان دکھاتا رہا تھا اور مُردوں میں زندگی کا چراغ روشن کر دیتا تھا ۔ یہی وہ نور ہے جو اشراقِ مجرد کی شان سے رسول آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینے میں چمکا اور یہی وہ نور ہے جو امامت کی مشعل روشن کر کے معصوم جسدوں کو بدلتا رہا ۔

**حسین** : تو آپ ہی جبرئیل ہیں ؟

**شخص** : جبرئیل بھی میرے ہی تنوعات کی ایک چھوٹی شمع ہے -

حسین : شاید آپ ہی وہ حی لایموت ہیں ؟

**شخص** : حی لایموت نہیں ، حی لاحی - مگر اس تشخص کے ساتھ میں یہ دعوٰی نہیں کرسکتا ، گو یہ ضرور کہوں گا کہ ''انا خالق الارواح ! انا فالق الاصباح[۱]'' لیکن اس وقت تو ایک پیکر متحیز میں ہوں اور وہ امام بن کے نمودار ہوا ہوں جس پر ایمان لانا ہرمکلف پر فرض ہے -

**حسین** : (ہاتھ سے ہاتھ ملا کے) تو میں بھی آپ کی امامت اور اس مظہر نقطۂ وحدت کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں -

**شخص** : حسین سن ! تو منزلِ مقصود کو پہنچ گیا - مدارجِ صعود طے ہو گئے اور عنقریب اس پُر شوق آغوش میں ہو گا جو دو سال سے تیرے لیے کھلا ہوا ہے - اگرچہ اب کوئی دنیاوی عبادت تجھ پر فرض نہیں ، تاہم ارضی کثافت کا باقی ماندہ اثر دل سے نکال ڈالنے کے لیے ضرور ہے کہ اس سروشستان کے پھاڑک پر تین دن تک بیٹھ کے تو ایک مختصر سی عبادت کرے - تین شبانہ روز تیری زبان سے صرف یہی کلمہ نکلنا چاہیے کہ ''یا مرکز النور اغرقنی فی بحار انوارک[۲]'' مگر شرط یہ ہے کہ چاہے کچھ کھا لے مگر ان تین دن میں پانی کا کوئی قطرہ تیرے حلق سے نہ اترے -

---

۱ - میں ہی پیدا کرنے والا روحوں کا اور میں ہی چاک کرنے والا (داماں) سحر کا ہوں -

۲ - اے مرکز نور ! مجھے اپنے نوروں کے سمندر میں غرق کر !

اتنا کہہ کے یہ تاج دار شخص چند روٹیاں چھوڑ کے چلا گیا اور اس کے جاتے ہی مکان کے سب دروازے یکایک اور ایک ساتھ بند ہو گئے ۔ حسین پہلے تو یہ حالت اور اپنی تنہائی دیکھ کے گھبرایا مگر فوراً اس آخری مرشد و امام کی نصیحت یاد آئی اور ریاضت و وظیفے میں مشغول ہو گیا ۔ علی الاتصال ایک ہی جملہ کہتے رہنے اور پھر پانی نہ پینے کا یہ نتیجہ تھا کہ تیسرے روز پیاس نے مجنوں بنا دیا تھا۔ ہونٹوں سے لے کے سینے تک سارا گلا خشک تھا اور سوا سائیں سائیں کے کوئی آواز نہ نکلتی تھی ، مگر زمرد کے شوق میں وظیفے سے زبان نہ رکی اور اسی استقلال اور خود فراموشی سے دعا پڑھے جاتا تھا ۔

تیسرے روز حسین زبان حال سے العطش پکار رہا تھا کہ وہ تاج دار نوجوان شاہانہ لباس پہنے ہوئے آیا اور کہا : "لے ! اب سفر جنت کے لیے تیار ہو ۔ تیری ریاضت پوری ہوئی ، تو نے سب مراحلِ یقین طے کر لیے اور کوئی چیز نہیں باقی رہی جو اس راہ میں تیری مزاحم ہو ۔ مگر ہاں تو پیاسا ہے ، ذرا اپنے آپ کو تازہ دم کر لے ۔" اس شخص کی زبان سے یہ جملہ پوری طرح سے نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک نہایت ہی حسین و نازنین عورت ایک سونے کا مرصع جام ہاتھ میں لیے جو ایک خاص قسم کے لطیف و خوش رنگ شربت سے ملبب تھا ، حاضر ہوئی؛ اس شخص نے جام کو اس حسینہ کے ہاتھ سے لے کے حسین کی طرف بڑھایا اور کہا : "لے یہی وہ شراب طہور ہے جس کے دور فردوس بریں میں ہمیشہ چلتے رہتے ہیں ۔ اس کے پینے سے تیری پیاس ، ماندگی ، تھکن اور جملہ بدمزگیاں جاتی رہیں گی اور تو ایک نہایت ہی نورانی و روحانی سرور کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا ۔"

حسین نے فوراً وہ جام لے کے منہ سے لگا لیا اور پیاس کی ایسی شدت تھی کہ دو ہی تین گھونٹ میں اُتار گیا ۔ ایک لحظہ نہ گزرا ہوگا کہ اُسے اپنے سر میں ایک گرانی سی معلوم ہونے لگی جس کے ساتھ ہی خمار آلود آنکھیں جھپک جھپک کے بند ہو گئیں ۔ وہ بے ہوش تھا اور بے ہوش بھی ایسا کہ سر و پا کی خبر نہ تھی ۔

---

چوتھا باب

# فردوس بریں

حسین کو نہیں خبر کہ یہ غفلت کتنی دیر تک اُس پر طاری رہی، لیکن مدہوشی تھوڑی تھوڑی کم ہوئی تھی اور نشۂ غفلت اُترنا شروع ہوا تھا کہ ایک نہایت ہی دل‌کش اور وجد پیدا کرنے والے نغمے کی آواز کان میں آئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا دل فریب و دل‌ربا پری پیکروں کا ایک طائفہ عجیب و غریب اور انتہا سے زیادہ پُر لطف باجوں اور مزامیر کے ساتھ اپنے نور کے گلوں سے ولولہ‌خیزی اور بہار کی مسرت‌انگیز دھن میں یہ ترانۂ مبارکباد گا رہا ہے کہ "سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔" ایک جوش مسرت کی بےاختیاری سے اس نے گھبرا کے آنکھیں کھول دیں۔ ہر طرف ایسا سماں نظر آیا کہ جدھر نظر جاتی ہے "کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں‌جا ست"۔ حسین نے اس وقت اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ ایک طلاکار اور مرصع کشتی میں سوار ہے اور نازک بدن اور پری جمال لڑکوں کی کوشش سے وہ کشتی ایک پتلی مگر بہت ہی دل‌کش نہر کے کنارے ابھی ابھی آ کے ٹھہری ہے۔ نرم اور نظر فریب سبزے کو شفاف اور پاک و صاف پانی اپنی روانی میں چومتا ہوا نکل جاتا ہے۔ بعض مقامات پر گنجان اور

سایہ‌دار درخت ہیں جو پیچیدہ اور خم‌دار زلفوں کی طرح نہر کی گوری مگر خم آلود پیشانی پر دونوں طرف سے جھک پڑے ہیں مگر جہاں پر کشتی آ کے کنارے لگی ہے وہاں ایک کشادہ مرغزار ہے۔ ان خوب‌صورت ملاحوں کے کہنے کے بموجب وہ کشتی سے اُتر کے سبزہ زار کی سیر کرنے لگا۔ وہاں جاکے دیکھا تو اور حیرت ہوئی۔ پانی کے پاس ہی سے سبزے کا ایک پتلا اور برابر حاشیہ چھوڑ کے شگفتہ اور خوش رنگ پھولوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو نہر کے دونوں جانب حد نظر تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔ اگرچہ پھولوں میں شادابی و خوش رنگی کی وہی شان ہے جو صرف خود رو پھولوں میں نظر آتی ہے مگر اس قدرتی بہار کے ساتھ یہ لطف بھی ہے کہ نہایت ہی لیاقت بلکہ بظاہر مافوق‌العادت ہوشیاری و دانائی سے چمن بندی کی گئی ہے۔ چمنوں کی بعض قطاریں تو ایسی ہیں جن میں ایک ہی قسم اور ایک ہی رنگ کے پھول ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک ہی قوم اور ایک ہی وردی کی فوج مختلف کمپنیوں پر تقسیم ہوتی حد نظر تک چلی گئی ہے۔ مگر اکثر چمن ایسے ہیں جن میں مختلف رنگ کے پھولوں کو ترتیب دے کے زمین پر ایسی ایسی گل کاریاں کی گئی ہیں کہ عقل انسانی حیرت میں آجاتی ہے۔ سارا مرغزار اور ساری وادی جو کوسوں تک پھیلی ہوئی ہے اور جسے خوب‌صورت، متوازی اور سرسبز و شاداب پہاڑوں نے اپنے حلقے میں کرلیا ہے، از سر تا پا ان ہی چمنوں اور پھولوں سے بھری ہے۔ اور مختلف نہریں جو آبشاروں کی شان سے اور پانی کی چادریں بن بن کے پہاڑوں سے اُتری ہیں، ان ہی چمنوں اور پھولوں کے درمیان میں جابجا بہ رہی ہیں۔ اور ان کے پانی نے خواہ پھولوں کی خوش‌بو سے متاثر ہوکے یا کسی اور وجہ سے گلاب اور کیوڑے

کی شان پیدا کر لی ہے - یہ نہریں زبان حال سے پکار پکار کے کہہ رہی ہیں کہ ہم ہی تسنیم و سلسبیل ہیں - راستوں اور روشوں کی ترتیب میں یہ معجزنما کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر چمن کے ایک پہلو کو نہر دھوتی ہے تو اس کے دوسرے پہلو کو ایک چھوٹی سی خوش نما سڑک اپنے آغوش میں لیتی ہے - یہ سڑکیں چمن سے بھی زیادہ کمالِ صناعی دکھا رہی ہیں - مختلف قسم اور مختلف رنگ کے سنگ‌ریزوں سے ان سڑکوں کی تعمیر میں کام لیا گیا ہے اور ہر سڑک پر ایک خاص رنگ کے سنگ‌ریزے بچھا کے کوئی سڑک فیروزے کی، کوئی زمرد کی، کوئی یاقوت کی اور کوئی نیلم کی بنا دی گئی ہے - پھر ترتیب میں یہ لطف ہے کہ جس رنگ کے پھولوں کا چمن ہے اسی کے مناسب و موزوں رنگ کی پتلی خوش‌نما سڑک اس کے پہلو سے گزری ہے - نغمہ سنج طیور ان چمنوں میں آتے پھرتے ہیں، پھولوں کے قریب بیٹھ بیٹھ کے عشق و محبت کی داستان سناتے ہیں اور خدا جانے کس کمال استادی سے تعلیم دی گئی ہے کہ اکثر آنے جانے والے جہاں دیگر اطراف سے پری پیکروں کے نورانی گلوں سے خیرمقدم کا ترانہ سنتے ہیں، وہاں ان نغمہ سنج طائروں کا بینڈ بھی اپنے قدرتی ارغنون سے یہی کلمۂ خیر مقدم سناتا ہے کہ "سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین" -

حسین نے نہایت ہی جوش و حیرت سے دیکھا کہ ان ہی چمنوں میں جا بہ جا نہروں کے کنارے سونے چاندی کے تخت بچھے ہیں جن پر ریشمی پھول‌دار کپڑوں کا فرش ہے - لوگ پر تکلف اور طلائی گاؤ تکیوں سے پیٹھ لگائے دل‌فریب اور ہوش ربا کم سن لڑکیوں کو پہلو میں لیے بیٹھے ہیں اور جنت کی بے فکریوں سے لطف اٹھا رہے ہیں - خوب‌صورت

آفتِ روزگار لڑکے کہیں تو سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور کہیں نہایت ہی نزاکت اور دل‌فریب حرکتوں سے ساقی گری کرتے ہیں ۔ شراب کے دور چل رہے ہیں اور گزک کے لیے سدھائے یا قدرت کے سکھائے ہوئے طیور پھل‌دار درختوں سے پھل توڑ توڑ کے لاتے ہیں اور ان کے سامنے رکھ کے اڑ جاتے ہیں ۔ پھل ہی نہیں ، یہ خوش‌نما طیور کپڑوں میں لپٹے ہوئے کبابوں کی پوٹلیاں بھی لاتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے مے کشی و شاہد پرستی کا پورا سامان فراہم کر دیتے ہیں ۔ سب سے زیادہ جس چیز نے حسین کو متوجہ کیا ، وہ یہ بات تھی کہ یہ سب لوگ بے غل و غش نہایت بے فکری و اطمینان سے ان لذتوں کے مزے لوٹ رہے تھے اور خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ پاس سے کون گزرتا ہے اور انھیں کس نظر سے دیکھتا ہے ۔ نہ کسی کو کسی سے حسد تھا اور نہ کسی کو کسی لطف کے چھپانے کی ضرورت تھی :

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

یہ عالم دیکھ کے حسین کے دل میں ایک جوش و ولولہ پیدا ہوا ۔ اس نے کسی قدر بلند آواز سے کہا : ”بے شک فردوس بریں یہی ہے ! یہیں آکے نیکوکاروں اور ایمان‌داروں کو اپنے اعمال نیک کا صلہ ملتا ہے ۔ مگر افسوس ! اے زمرد تو کہاں . . . . . ؟“ یہ جملہ ناتمام ہی تھا کہ پاس کے چمن کے پھولوں کے نیچے سے ایک شیریں و دل کش آواز میں کسی نے کہا : ” تو ابھی جنت کے چمنوں ہی کو دیکھ رہا ہے ، ذرا محلوں اور قصروں کو بھی نظر اٹھا کے دیکھ !“ پہلو سے تو اس نے یہ آواز سنی

اور سامنے سے ایک نہایت ہی نازک اندام اور قیامت خرام نازنین نے آکے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور مسکرا کے کہا : "میں بھی تیرے لیے ہوں ۔" حسین ذرا جھجک کے اس سے علیحدہ ہوا اور غور سے اُس کی صورت دیکھ کے کہا : "مگر میں پیاری زمرد کے سوا کسی کو نہیں چاہتا ؛ بتاؤ وہ کہاں ہے ؟"

**نازنین** : وہ بھی مل جائیں گی ۔ آپ کی خوشی کا پیمانہ تنگ ہے ۔ ذرا ان سرمدی مسرتوں سے نگاہ اور دل آشنا ہولیں تو اُن سے ملیے گا ۔ دیکھیے وہ سامنے جو موتی کا قصر ہے ، آپ ہی کے لیے ہے اور زمرد اُسی میں ہے ۔

حسین نے نظر اُٹھا کے اس رفیع‌الشان قصر کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی نظر دیگر عمارتوں پر بھی جا پڑی اور اُسے نظر آیا کہ یہ عمارتیں باغوں سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں ۔ بعض بالکل سونے کی ، بعض چاندی کی ؛ بعض مونگے کی اور بعض موتیوں کی نظر آتی ہیں ۔ یہ تمام مکانات جو حسب حیثیت محل ، قصر اور کوشک کے لفظ سے تعبیر کیے جا سکتے ہیں ۔ مذکورہ اشیا کے علاوہ ان میں کوئی فیروزے کا ، کوئی زمرد کا ، کوئی یاقوت کا اور کوئی ہیرے کا ہے ۔ موتی کے محل جن میں سے ایک خاص حسین کے لیے ہے ، کچھ ایسے آبدار رنگ میں رنگے ہوئے ہیں کہ نیچے سے اوپر تک ایک ہی موتی میں ترشے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ۔ ان میں جا بجا صدف صادق کے جھلکتے ہوئے ٹکڑے جڑے ہیں ۔ تمام محلوں پر علاوہ اس رنگ کے جس کی طرف وہ محل منسوب ہیں ، ہر در و دیوار کے گرد بلور اور شیشے کے ٹکڑوں کا حاشیہ بنا ہوا ہے اور ان شیشوں کے نیچے ڈاک دی ہوئی ہے ۔ یہ آئینے دن کو آفتاب کی ضو میں اور رات کو ہزارہا کافوری شمعوں کی روشنی میں اس قدر جگمگا

اٹھتے ہیں کہ تیز سے تیز نگاہ خیرہ گی کرنے لگتی ہے ۔ اس کے علاوہ ان ہی دیواروں میں اندر باہر جواہرات بھی جڑے ہیں جو اپنی کرنیں چمکا چمکا کے ایک عجیب لطف پیدا کرتے ہیں ۔ بہر تقدیر اس مجموعی سامان ، سنہرے ، روپہلے اور رنگ برنگ قصروں ، ان کے آئینوں اور جواہرات نے ہر چہار طرف ایک ایسی نور کی کیفیت پیدا کر رکھی ہے کہ نظر پڑتے ہی انسان کے دل میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے ۔

حسین ان محلوں کو دیکھ کے ذرا تھوڑی دیر تک تو مبہوت کھڑا رہا مگر ہوش آتے ہی اس خاص محل کی طرف دوڑا جس کی نسبت اس پری پیکر حور کی زبانی سنا تھا کہ خاص اس کےلیے ہے اور جس میں پیاری زمرد کے ملنے کی امید تھی ۔ اب اس کے جذبات دلی اس جوش و خروش سے زمرد کی طرف متوجہ تھے کہ اس نے نہ کسی چیز کی طرف نظر اٹھائی ، نہ کسی سامان عشرت کو دیکھا اور سیدھا اس قصر دری کے دروازے پر جا پہنچا ۔ زمرد بھی استقبال کے لیے محل کے باہر نکل آئی تھی اور ایک غیر معمولی مگر نہایت دلربا وضع سے بال کھولے اور زلفوں کو شانوں اور پیٹھ پر بکھرائے کھڑی تھی ۔ آنکھیں دوچار ہونا تھیں کہ بے اختیاری کے جوش میں دونوں کی زبان سے ایک دوسرے کا نام نکلا اور دوڑ کے لپٹ گئے ۔ حسین تو محو حیرت تھا ہی ، زمرد کے چہرے سے بھی ایک غیر معمولی مسرت و جوش اور کسی قدر حیرت کے آثار نمایاں تھے ۔ دیر تک دونوں لپٹے رہے اور حسین دل کی پر جوش حرکت سے بے اختیار ہو کے رونے لگا ۔ اس کی سانس سے رونے کا پتا پا کے زمرد نے اپنے آپ کو علیحدہ کیا اور کہا ! ”حسین یہاں رونا حرام ہے ، بس اب آنسو پونچھ ڈالو ۔“

**حسین** : (آنسو پونچھ کے) زمرد ! یہی فردوس بریں ہے ؟

**زمرد** : یہی !

**حسین** : تم یہاں چلی آئیں اور مجھے اسی درد و الم میں چھوڑ دیا ؟

**زمرد** : یہ میرے اختیار کی بات تھی ؟ مجھے تو ایک اتفاقی شہادت نے یہاں پہنچا دیا مگر تمھاری زندگی باقی تھی اور ضرور تھا کہ اتنے مدارج و مراحل طے کر کے یہاں آؤ ۔ مگر سچ کہتی ہوں کہ اس جنت میں بھی تمھارے فراق نے کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا ۔ کیا کہوں کن دشواریوں سے مجھے اتنی اجازت ملی ہے کہ تمھیں اپنے پاس آنے کا راستہ اور طریقہ بتاؤں ۔

**حسین** : میرے تو ایسے اعمال تھے کہ شاید مر کے بھی یہاں نہ پہنچ سکتا ؛ صرف تمھاری محبت تھی جو خضرِ طریقت بن کے لائی ۔

**زمرد** : لیکن اگر تمھارے دل میں طلب صادق نہ ہوتی تو میں کیا کر سکتی تھی ؟

**حسین** : مگر اس طلب سے یہ تھوڑا ہی ممکن تھا کہ میں اس ملاء اعلیٰ میں آ پہنچتا ۔ میں تو دل میں ٹھان چکا تھا کہ اس قبر کے پاس اور اس چٹان کے سامنے جس پر تمھارا پیارا نام کندہ ہے ، پڑے پڑے دم توڑ دوں گا ۔

**زمرد** : خیر یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی ، اب اندر چل کے آرام سے بیٹھو ، شراب طہور کے دو ایک جام پیو اور دیکھو اس خداوند جل و علا نے تمھارے لیے کیسے کیسے سامان راحت اور کیسی کیسی لذتیں فراہم کر رکھی ہیں ۔

یہ کہہ کے زمرد حسین کو اندر لے گئی ۔

جس وقت حسین نہر کے کنارے کشتی سے اُترا ہے، سر شام کا وقت تھا، مگر اب رات ہوگئی تھی۔ ہر طرف کافوری شمعیں روشن ہوئیں اور ایک خاص قسم کی ٹھنڈی روشنی جس کا پتا نہ چلتا تھا کہ کہاں سے آتی ہے اور کیوں کر پیدا ہوتی ہے، دروازوں، بلند کھڑکیوں اور چھت کے روشن دانوں سے رہ رہ کے چمک اُٹھتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا یکایک ہزار ہا مہتابیں چھوڑ دی گئیں۔ اس تیز روشنی میں شمعیں ماند پڑ جاتی تھیں اور پیارے ہم صحبتوں کا چہرہ ایک دوسرے کو زیادہ بھلا اور دل فریب نظر آنے لگتا تھا۔ اس غیبی روشنی کو حسین نے حیرت سے دیکھا اور دریافت کرنے کے لیے کہ یہ کیسی روشنی ہے، وہ باربار دورازے سے جھانک کے باہر دیکھتا مگر کچھ حال نہ کھلا؛ صرف اتنا معلوم ہوا کہ اس روشنی کا مرکز و منشا گرد کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ہے، جہاں وہ زیادہ چمکتی ہے اور وہیں سے اس کی کرنیں آ کے تمام مکانات کو روشن کر دیتی ہیں۔ ایک یہ بات بھی اس نے دیکھی کہ یہ روشنی جب پوری تیزی اور کمال پر آ جاتی تو چاروں طرف سے لوگ چلا" اٹھتے: "ہٰذا الذی ما وعدنی ربی" بلکہ سب کے ساتھ ایک بے اختیاری کے جوش میں یہی کلمہ خود حسین کی زبان سے بھی کئی مرتبہ نکل گیا۔ جب اس روشنی کا راز حسین کے حل کیے نہ حل ہو سکا تو اس نے زمرد سے پوچھا "یہ کیسی روشنی ہے؟"

زمرد : تم نے نہیں پہچانا؟ یہی وہ نور الٰہی ہے جو موسیٰ کو وادیِ ایمن میں نظر آیا تھا۔ تم نے قرآن و احادیث میں پڑھا ہے کہ جنت میں خدا کا دیدار ہوگا، اُس سے یہی نور عبارت ہے۔

**حسین** : تو یہی خداوند جل و علا ہے ؟
**زمرد** : یہ تو نہیں کہہ سکتے مگر ہاں اس کے تنوع اوالٰی کی سب سے زیادہ مکمل اور سچی تصویر یہی ہے ۔

یہ جواب سن کے حسین اس نور کے سامنے سجدے میں گر پڑا مگر زمرد نے اُٹھایا اور کہا : "یہاں عبادت کی تکلیف نہیں ؛ یہ نور صرف اس غرض سے ہے کہ لوگوں کے دل میں اطمینان کی مسرت پیدا ہو ۔"

اب حسین نے مکان کے فرش اور تمام سامان کو دیکھا اور اُسے یقین ہو گیا کہ یہ سب نوری سامان ہے جو دنیا میں نہ کبھی انسان کے دل میں گزرا ہے اور نہ کسی کے قیاس و گمان میں آ سکتا ہے ۔ زمرد اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیے یہاں کی تمام اعجوبہ چیزیں اُسے دکھاتی پھرتی تھی ، اور ہر چیز پر وہ خدائے ذوالجلال والاکرام کی قدرت و مرحمت کا جوش و خروش سے اعتراف کرتا ۔ اور آخر پھرتے پھرتے ایک مقام پر رک کے وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ زمرد سے لپٹ گیا اور کہا : "یہ سب لطف اور یہ سارے سامان عیش ہیں مگر زمرد میرے لیے کوئی تجھ سے بڑی نعمت نہیں ہوسکتی ۔"

**زمرد** : یہی محبت تمھیں یہاں لائی ہے ، ورنہ یہ وہ مقام ہے جہاں کسی زندہ انسان کا بہت کم گزر ہوا ہے ۔ یہ تمھاری بڑی فضیلت ہے کہ اس جسم خاکی کے ساتھ اس نورستان میں آ پہنچے ۔

حسین کو جنت میں پھرتے اور زمرد کے حسن و جمال سے فائدہ اُٹھاتے پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور یہ ہفتہ اس حالت میں گزرا کہ دل کش اور نشاط انگیز نغموں کی آواز اکثر کانوں میں گونجتی رہتی ، اورگو بہت سی حوریں اس کی خدمت کو حاضر

تھیں اور سب پری جمال و زاہد فریب تھیں، مگر اُسے زمرد کے سوا کسی سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ ہر وقت زمرد کی بغل میں ہاتھ رہتا اور دونوں ہمیشہ فرحت بخش وادیوں اور روح افزا مرغزاروں میں ٹہلتے رہتے۔ زمرد نے اتنے ہی زمانے میں پھر پھرا کے اُسے یہاں کی تمام نزہت گاہیں اور سب دلچسپ مقامات دکھا دیے۔ ایک مرتبہ حسین نے کہا: "زمرد! میں تو سنتا تھا کہ جنت میں ہمیشہ صبح کا وقت رہتا ہے مگر آ کے دیکھا تو یہاں بھی وہی دنیا کے سے تغیرات زمانہ موجود ہیں؟"

**زمرد** : اس امر میں لوگوں سے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر وقت صبح رہتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کسی وقت کا لطف انسان یہاں اٹھا سکتا ہی نہیں۔ ایسا ہو تو جنت سے ایک بڑا لطف اٹھ جائے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ یہاں ہر وقت کوئی ایسا مقام ضرور مل جائے گا جہاں انسان جس وقت کا لطف چاہے اٹھالے۔

**حسین** : یہ کیوں کر؟

**زمرد** : زبان سے کہنے کی نہیں، میں چل کے تمھیں آنکھوں سے دکھائے دیتی ہوں۔

یہ کہہ کے زمرد اسے ساتھ لیے ہوئے قصر دُری سے باہر نکلی اور کہا: "دیکھو یہاں دوپہر کا سماں ہے، اب آگے چلو۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ایک ایسے درختوں سے گھرے ہوئے سبزہ زار میں پہنچے جہاں آفتاب کی روشنی کو درخت روکے تھے۔ ہر طرف سے اندھیرا جھکا ہوا تھا اور مشرق قلہ ہائے کوہ سے ایک ہلکی ہلکی روشنی نمودار تھی۔ زمرد یہاں پہنچ کے بولی: "دیکھو یہ صبح کا وقت ہے؛ ہے نا؟"

**حسین** : بے شک ہے ۔
**زمرد** : آگے چلو ۔

یہاں سے روانہ ہو کے تھوڑی دیر میں دونوں ایک ایسی چھوٹی سی وادی میں پہنچے جو ہر طرف سے پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی ۔ یہاں بھی درختوں نے خفیف تاریکی پیدا کر دی تھی اور ذرا فاصلے کے مقامات پر ہلکا ہلکا دھواں اٹھتا نظر آرہا تھا ؛ کہیں کہیں چراغ جلنے لگے تھے ؛ طیور کے چہچہانے کا شور بلند تھا ۔ اور مغرب کے قلے پر آفتاب کے غروب ہونے کی سی شعاع نظر آ رہی تھی ۔ زمرد نے یہاں رک کے کہا "اور یہ شام ہوئی ۔"

**حسین** : اس میں کسے شک ہو سکتا ہے !
**زمرد** : دن کا سماں دیکھ چکے ، صبح دیکھ چکے اور شام بھی دیکھ لی ؛ صرف رات کا لطف باقی ہے ' چلو وہ بھی دکھائے دیتی ہوں ۔

یہاں سے واپس آ کے زمرد حسین کو لیے ہوئے ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہوئی جہاں نہایت خوبی سے ایک نشیبی راستہ بنا ہوا تھا ۔ زینے نہ تھے بلکہ زمین جو پختہ ، مسطح اور رنگ برنگ تھی ، ساعت بہ ساعت نیچی ہوتی جاتی تھی ۔ اس زمین دوز راستے میں جاتے جاتے دونوں ایک نہایت ہی عالی شان اور پر تکلف قصر میں پہنچے جس میں ہر جگہ کافوری شمعیں روشن تھیں ۔ جھاڑ اور فانوس کثرت سے لٹک رہے تھے اور در و دیوار پر بلور اور شیشے کے رنگ برنگ ٹکڑوں کو ان شمعوں کی شعاعیں کچھ ایسی عجیب و غریب روشنی سے چمکا رہی تھیں کہ نظر خیرہ ہوئی جاتی تھی ۔

**زمرد** : دیکھو یہ رات ہے اور کیسی پیاری رات !

**حسین** : پیاری زمرد! اگر تو ساتھ ہو تو ہر چیز پیاری ہے۔

یہ سب سامان دیکھ کے دونوں اپنے قصر میں واپس آئے اور باہم عشق و محبت کی باتیں کرنے لگے، مگر پیشتر کے برخلاف زمرد اب کسی قدر افسردہ سی تھی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ گو زبردستی کوشش کرکے چہرے کو بشاش بناتی ہے مگر دل اندر سے بیٹھا جاتا ہے۔ حسین نے اس امر کو حیرت سے دیکھا اور کہا: "زمرد! اس فردوس بریں میں بھی آج تم مجھے ملول نظر آتی ہو؟"

**زمرد** : نہیں، مگر ہاں! گزشتہ مفارقت کسی کسی وقت یاد آ جاتی ہے تو خواہ مخواہ دل بھر آتا ہے۔

**حسین** : مگر خدا نے وہ مصیبت کاٹ دی اور اب امید ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ یوں ہی ایک دوسرے کے وصل سے لطف اٹھاتے رہیں گے۔

**زمرد** : خدا کرے ایسا ہو، مگر حسین ابھی مجھے اس کی اُمید نہیں۔

**حسین** : (حیرت سے) اُمید نہیں؟ یہ جنت ہے جس کے لطف سرمدی و ابدی ہیں۔ یہاں نہ کسی دشمن کا اندیشہ ہو سکتا ہے، نہ کسی حاسد کا حسد۔ پھر ناامیدی و حسرت نصیبی کا کیا سبب؟ "ولا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔"

**زمرد** : بے شک، مگر حسین تم یہاں قبل از وقت آئے ہو اور ابدی اور سرمدی لطف اُٹھانے کے لیے وہی لوگ آتے ہیں جو مرنے کے بعد دنیا سے قطع تعلق کرکے آئیں۔ تم نے ابھی اس مادی دنیا کے علائق قطع نہیں کیے اور اُس مادی جسم کو ساتھ لائے ہو جس کو وہیں

دنیا میں چھوڑنے کے لیے تمھیں ایک دفعہ اُس عالم میں ضرور جانا ہے ۔ دیکھو حضرت مسیحؑ یہاں زندہ آئے اور اب تک ہیں مگر انھیں کبھی کسی لطف میں پورا مزہ نہیں آتا ، اس لیے کہ جانتے ہیں یہ قفس عنصری چھوڑنے کے لیے ایک مرتبہ دنیا میں پھر جانا ہے ۔ اصل یہ ہے کہ کثافتِ مادہ اس نورستان میں رہ ہی نہیں سکتی ۔

**حسین :** افسوس ! پھر میں کب جاؤں گا ؟

**زمرد :** جب حکم ہو جائے ، مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلدی جانا پڑے گا ، اس لیے کہ وہاں کی کئی شدید ضرورتیں تمھیں بلا رہی ہیں ۔

حسین یہ سن کے آبدیدہ ہو گیا اور نہایت ہی جوش دل سے ایک آہ سرد کھینچ کے بولا : "آہ ! روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد ! مجھے تو ابھی تیرے وصال کا بھی لطف نہیں حاصل ہوا ۔ مگر زمرد مجھ سے تو اب نہ جایا جائے گا ۔ اب اس وقت سے میں ہر وقت تیرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے رہوں گا تاکہ کوئی مجھے تجھ سے جدا نہ کر دے ۔" یہ سن کے زمرد بھی آبدیدہ ہو گئی اور بولی : "حسین ! یہ امر تمھارے اختیار سے باہر ہے ۔ جب وقت آئے گا خبر بھی نہ ہوگی ، اور ایک ادنٰی غنودگی تمھیں اُس عالم میں پہنچا دے گی ۔"

**حسین :** (رو کر) پھر اب تو مجھ سے تمھارے فراق کی مصیبت نہ برداشت کی جائے گی ۔ جاتے ہی اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا اور تم سے چھوٹے ایک گھڑی بھی نہ گزری ہوگی کہ پھر تمھارے پاس آ پہنچوں گا ۔

**زمرد :** کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا ۔ خودکشی کر لی تو

جنت تم پر حرام ہو جائے گی ۔ پھر تو قیامت تک بھی ملنے کی امید نہ رہے گی ۔

حسین : (زور سے سینے پر ہاتھ مار کے) ہائے مجھ سے کیوں کر زندہ رہا جائے گا ۔ زمرد! خدا کے لیے کوئی تدبیر بتا ورنہ یہ سمجھ لے کہ ہمیشہ کے لیے مایوسی ہے ، اس لیے کہ اب میں دنیا میں جا کے زندہ نہیں رہ سکتا ۔ ہزار روکوں مگر میرا خنجر میرے سینے پر اٹھ ہی جائے گا ۔ اچھا اگر یہ نہیں تو تم بھی میرے ساتھ چلو ؟

زمرد : یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ۔ حسین! یہ نہ سمجھو کہ میں اپنے بس میں . . . . .

اتنا ہی لفظ زبان سے نکلا تھا کہ کانپنے لگی اور اٹھ کے ادھر آدھر دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا ہے ، مگر جب کوئی نظر نہ آیا تو اطمینان سے آ کے پاس بیٹھ گئی اور بولی : "حسین! اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ، تمھارا واپس جانے کا وقت آ گیا ۔

حسین : (بے صبری سے چلا" کے) آگیا ؟ ابھی سے؟ نہیں ، میں ابھی نہ جاؤں گا ۔ یہ کہہ کے زمرد کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ کے پکڑ لیا ۔

زمرد : ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ۔ جتنی زیادہ بے صبری دکھاؤ گے ، اتنے ہی زیادہ خراب ہو گے ۔ اس وقت تنہائی میں باتیں کرنے کا ذرا موقع مل گیا ہے ، غنیمت سمجھو اور جو کچھ کہتی ہوں سنو؛ کوئی آ گیا تو یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا ۔ پھر عمر بھر کف افسوس ملو گے ؛ ساری دنیا میں بھٹکتے پھرو گے اور مطلب نہ نکلے گا ۔

حسین : (اپنے آپ کو سنبھال کر) اچھا سنتا ہوں ۔ پیاری زمرد تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ گی تو کام چلے گا ۔ ورنہ . . . . . . مگر یہ جملہ نہیں پورا ہونے پایا تھا کہ جی بھر آیا اور زار و قطار رونے لگا ۔

زمرد : (اپنے نازک ہاتھ سے اس کا منہ بند کرکے) کیا غضب کرتے ہو ! خدا کے لیے سنبھلو ؛ دنیا میں جا کے جی بھر کے رو لینا ، مگر ابھی میری ایک بات ذرا ہوش و حواس درست کرکے سن لو ۔

حسین : (نہ رکنے والے جوشِ گریہ کو روک کے) کہو پیاری زمرد! دل و جان سے سن رہا ہوں ۔

زمرد : یہاں سے جانے کے بعد پہلے تو تم کوشش کرنا کہ وہی لوگ جن کی مدد سے اس دفعہ یہاں آئے ، انہیں لوگوں کی اطاعت کرکے اور انہیں خوش کرکے پھر یہاں آنے کا موقع پاؤ ۔ اپنی حاجت روائی کے لیے تم ان کے کسی حکم سے انحراف نہ کرنا ۔ لیکن اگر وہ تمہیں یہاں دوبارہ بھیجنے کا کسی طرح وعدہ ہی نہ کریں اور سب طرف سے مایوس ہو جاؤ تو پھر اسی وادی میں آ کے ٹھہرنا جہاں میری قبر ہے اور جہاں خط بھیج کے میں نے تمہیں یہاں آنے کی تدبیر بتائی تھی ۔

حسین : کوہ طالقان میں؟

زمرد : ہاں ہاں وہیں ۔ اگر تم ایک مہینے تک وہاں ٹھہرو گے تو میں پھر کوئی تدبیر بتاؤں گی ۔ دیکھو خبردار کسی کو خبر نہ ہو کہ میں نے وہاں بلایا ہے ۔

حسین : مگر پیاری زمرد ! وہ تدبیر اسی وقت نہ بتادو کہ یہاں سے جاتے ہی اس پر عمل درآمد شروع کر دوں ؟

زمرد : افسوس ! تم نہیں سمجھ سکتے - بس تمھیں وہی کرنا چاہیے جو میں بتاتی ہوں ۔ وہ تدبیر اس وقت بتانے کی نہیں -

حسین : دیکھوں اب کتنے دنوں ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں -

زمرد : صبر کرو اور ضبط سے کام لو ! اور خبردار ایسی کمزوری اور بزدلی نہ دکھانا کہ خودکشی کا ارادہ کر لو -

حسین : میں اسی کو ڈرتا ہوں - پیاری زمرد ! تیرے عشق میں بعض وقت نہ اپنے ہوش میں ہوتا ہوں اور نہ اپنا نیک و بد سمجھتا ہوں ۔ یہ تیرے ہی لیے تھا کہ میں نے اپنے چچا اور شیخ وقت امام نجم الدین نیشاپوری کو قتل کر ڈالا ۔

زمرد : جانتی ہوں ، مگر اس میں مجھ کو نہ شریک کرو (کچھ آہٹ پا کے ) بس اب خاموش ہو رہو -

ناگہاں چھ سات حوریں ناز و انداز سے قدم رکھتی ہوئی سامنے آئیں اور محبت کے لہجے میں حسین سے کہنے لگیں : "اب چل کے باہر کی سیر کیجیے اور ان نورانی تختوں پر جلوہ افروز ہوجیے جو چمنوں کے درمیان میں ہیں ۔ اس وقت کی بہار دیکھنے کے قابل ہے اور شراب طہور کے جاموں میں خاص مزہ ہے -"

حسین : میں تو یہاں تنہا ہی اچھا ہوں -

زمرد : تو وہاں چلنے میں کیا مضائقہ ہے؟ چلو میں بھی ساتھ چلتی ہوں -

حسین : خیر اگر تمھاری بھی یہی مرضی ہے تو مجھے کیا عذر ہوسکتا ہے !

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

چلو!

اتنی دیر میں اور سب حوریں بھی آ گئیں اور زمرد حسین کو ساتھ لیے قصر دری کے باہر نکلی - سب کے سب لالہ‌زار کے درمیان میں طلائی تختوں پر جا کے بیٹھے۔ تخت کے دونوں جانب دو حوض تھے جن میں سے ایک میں میٹھا دودھ بھرا تھا اور دوسرے میں شراب ارغوانی چھلک رہی تھی اور بغیر کہے صرف واقعات سے یقین دلایا جاتا تھا کہ ایک حوض کوثر اور دوسرا شراب طہور کا حوض ہے - سامنے چند حوریں بیٹھ کے عجب دل ربا اور وجد میں لانے والی دھن میں گانے لگیں - دو چار غلمان یعنی خوب صورت خوب صورت کم عمر لڑکے سونے کے جام و صراحی لا کے کھڑے ہو گئے اور نغمہ و سرود کے ساتھ دور بھی چلنے لگا - دو چار جاموں نے حسین پر از خودرفتگی کی کیفیت پیدا کر دی اور جب وہ اس عالم نور کو بے خودی کی نیم باز آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، اُسے نظر آیا کہ زمرد ایک ہاتھ تو اس کے گلے میں ڈالے ہے اور دوسرے ہاتھ سے ایک چھلکتا ہوا جام اس کے منہ سے لگا رہی ہے - حسین اس لطف صحبت کا دل ہی دل میں مزا اٹھا کے اس جام کو پی گیا مگر پینے کے بعد معلوم ہوا کہ جیسے زمرد کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو ٹپک رہے ہیں - بے خودی کے جوش میں پیاری دل ربا کی دل دہی کے لیے بڑھنے ہی کو تھا کہ مدہوش گر پڑا - بس اس کے بعد اسے اپنے پرائے کی خبر نہ تھی -

پانچواں باب

# پھر وہی عالم عناصر

دیر کی آزار رساں غفلت و بے ہوشی کے بعد حسین ذرا ہوشیار ہونے لگا تھا کہ کان میں آواز آئی : "اے جسم خاکی ! اٹھ اور اس برزخ کبریٰ کا ہاتھ چوم جو تیرا امام ہے اور جس نے صرف تیرے لیے باوجود مجرد محض ہونے کے صورتِ مادی اختیار کر لی ہے۔" حسین نے بے ساختہ آنکھ کھول دی اور باغ جنت یا زمرد کے پہلو کے بدلے اپنے آپ کو اس تاج‌دار شخص کے سامنے پایا جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی تھی اور جو اس سفر جنت کی آخری منزل پر ملا تھا۔ حسین آنکھیں ملتا ہوا ادب سے اٹھ بیٹھا اور اس کے قدموں پرگر کے سر رگڑ کر کہنے لگا "مکن بیدار ازیں خوابم خدا را۔"

**شخص :** نہیں، تجھے پھر عالم ارضی میں جانا ہے۔ ہوشیار ہو جا کہ مشائخ باطن سے ہرگز گریز نہ کرنا۔ میرا یہ ہاتھ جس میں نور کے سوا مادے کا بہت ہی کم جز ہے، تیرے ہاتھ سے مل چکا ہے اور ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ پر رہتا ہے جن کے وسیلے سے تیری اس ملاء اعلیٰ تک رسائی ہوئی۔

**حسین :** مگر میں ابھی اور چند روز جنت میں رہنے کا آرزومند

ہوں۔

**شخص** : اس مادی عالم کی زندگی میں یہ بھی تیرے حوصلے اور تیری ہوس سے زیادہ تھا۔ اب اس زندگی میں ممکن نہیں کہ تو پھر اس روحانی عسرت کدے میں آ سکے۔ جا اور اس وقت کا منتظر رہ جب کہ کسی دینی کوشش میں یا امام و مرشد کے حکم سے تو جام فنا پیے گا۔

**حسین** : تو آپ میرے امام ہیں اور آپ ہی جام فنا پلا کے مجھے فردوس بریں میں پہنچا دیجیے۔

**شخص** : ابھی ملاء اعلیٰ کی سرحد ہے اور یہاں فنا نہیں۔

اتنے میں وہی پہلی پری وش نازنین لبریز جام ہاتھ میں لیے ہوئے آئی جس کے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا: "بس اب زیادہ حجت نہ کر اور لے، یہ شراب طہور کا آخری جام پی۔" یہ کہہ کے اس نے جام اپنے ہاتھ سے حسین کی طرف بڑھایا۔

حسین اب جانتا تھا کہ یہ شراب طہور داروے بے ہوشی کا اثر رکھتی ہے اور جس طرح اس کا نشہ پہلے عالم بالا میں لے آیا، اب حضیضِ ظلمت میں لے جائے گا، مگر مایوسی کی تکلیف نے پیاس اس قدر تیز کر دی تھی کہ انکار کی جرأت نہ ہوئی؛ بے تکلف لے کے پی گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی مدہوشی تھی اور وہی خود فراموشی۔ پھر اسی طرح تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھول کے وہ مختلف سین دیکھنے لگا۔ حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے کبھی دشت و در تھے اور کبھی پہاڑوں کی بلندی و پستی۔ آخر ایک شب کو اس کی آنکھ شیخ الجب کے سامنے کھلی۔ راہ جنت کے اس پہلے نگہبان نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کے کہا: "حسین! تو پھر اس تیرہ

خاک‌دان عنصری کی حدود میں آ گیا ، اور ان آنکھوں سے جو انوار محضہ و مجردہ کو دیکھ چکی ہیں ، پھر نور سینا کو اسی طرح ستر ہزار حجابوں میں دیکھ رہا ہے ۔"

**حسین** : (آب دیدہ ہو کر) مگر میں تو اب اس ظلمت کدۂ خاکی میں نہیں آنا چاہتا تھا ۔

**طورسعنی** : بے شک نہ چاہتا ہوگا ۔ جذبات نور وحدت ایسی ہی کشش رکھتے ہیں مگر کیوں کر ممکن تھا کہ اس جسم خاکی کا دھبا اس نورستان میں ہمیشہ قائم رہتا ۔

**حسین** : تو ِللہ کوشش کیجیے کہ اسی وقت اس جسم خاکی کو چھوڑ کے اس سروشستان اعلیٰ کا راستہ لوں ۔

**طورسعنی** : ان امور میں شیخ علی وجودی ہی تمھارا اطمینان کر سکتے ہیں ؛ اُن کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں اُس پر عمل کرو ۔

**حسین** : (جوش دل سے نوحہ و بکا کر کے) افسوس ! میری اتنی ریاضت اور یہ مدتوں کی آرزومندی صرف اتنے مختصر زمانے کے لیے تھی؟ آہ کیا کروں کہ پھر زمرد کا وصال نصیب ہو ؟

اس کے بعد حسین پھوٹ پھوٹ کے اور زار و قطار رونے لگا اور یہاں تک رویا کہ ہچکیاں بندھ گئیں ۔

**طورسعنی** : اے بلند حوصلہ مشت‌غبار ! میرے عزلت کدے کو خالی کر اور صفحۂ ارضی پر جا کے اُس میعاد معینہ کو پورا کر ، جتنے دنوں کے لیے تو اس ظلمت کدۂ ارض میں گرفتار ہے ۔

**حسین** : کاش یہی معلوم ہوتا کہ اس مشت غبار کو کب تک اسِ عالم میں سرِگرداں پھرنا اور خاک اُڑانا ہے ۔

طورسغنی : تیرے لیے ان رموز کا حل کرنا شیخ علی وجودی کا کام ہے ، اس لیے کہ وہی تیرے مرشد ہیں۔ مگر ہاں ، میں تجھے ایک راز بتا سکتا ہوں ؛ وہ یہ کہ پھر اس عالم نور کی زیارت فقط اس امام کے اختیار میں ہے جس کے ہاتھ پر تو بیعت کر چکا ہے جو لاہوت و ناسوت کا برزخ ہے اور وہ تجلی ہے جو مختلف جسد ہائے امامت و نبوت میں ظاہر ہوتی رہی -

حسین : مگر ان تک رسائی کیوں کر ہو سکتی ہے ؛ وہ ملاء اعلیٰ پر ہیں اور میں اس قعر ظلمت میں پھینک دیا گیا ؟

طورسغنی : گو ان کا مرکز و مقر وہی نورستان اعلیٰ ہے مگر ایک گونا تعلقات مادہ ، جن کی وجہ سے انھوں نے بہت سے جسدہائے امامت بدلے ، انھیں اکثر اوقات اس آخشیجستان میں کھینچ لاتے ہیں - لیکن بغیر مرشد کے اس غرض میں کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی - اگر تو اصرار کرے گا تو تیرے مرشد شیخ علی وجودی اس امر میں تیری مدد کریں گے - بس اب تو اس خلوت کدۂ نور کو خالی کر اور مرشد کی قدم بوسی کے لیے روانہ ہو -

اس تقریر نے امید کا ایک دھندلا چراغ پھر اس کے سینے میں روشن کیا ، جس کی روشنی میں وہ غار کے باہر نکلا - لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی ، جب دیکھا کہ کاظم جنونی غار کے دہانے پر اسی وضع و حالت میں کھڑا ہے جس وضع و حالت میں کہ وہ اسے چھوڑ گیا تھا - کاظم جنونی اس کی

صورت دیکھتے ہی بولا: "اب تو تم کو اطمینان ہو گیا کہ شجرِ معرفت کی ایک شاخ تم بھی ہو۔"

حسین : اور آپ یہاں کب آئے؟

کاظم جنونی : ابھی تمھارے ساتھ ہی آیا تھا۔

حسین : ابھی؟

کاظم جنونی : ہاں ابھی!

حسین : مجھے تم سے رخصت ہوئے کئی ہفتے گزر گئے۔

کاظم جنونی : (ہنس کر) اُس عالم اور اِس عالم میں بڑا فرق ہے۔ یہاں کا ایک دن وہاں کے ستر برس کے برابر ہے۔

حسین : وہ ایک گھڑی سہی مگر تم یہاں ٹھہرے کیوں رہے؟

کاظم جنونی : امام قائمِ قیامت کا حکم یوں ہی تھا۔

حسین : امام قائم قیامت کون؟

کاظم جنونی : وہی جن کے ہاتھ پر اُس عالم نور کے سفر میں تم نے بیعت کی ہوگی۔

حسین : مگر ان کے احکام تم تک کیوں کر پہنچ گئے؟

کاظم جنونی : اُن ہی مرشد کے ذریعے سے جو راہ حقیقت طے کرنے کے لیے میرے ان کے درمیان میں واسطہ ہیں۔

حسین : تو شاید تمھارے مرشد یہاں آئے ہوں گے؟

کاظم جنونی : اس کی کچھ ضرورت نہیں؛ وہ ایک توجہ سے اپنے خیالات میرے دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔

حسین : افسوس میں جنت سے زبردستی کھینچ کے نکالا گیا!

کاظم جنونی : ان رموز ربانی کی شکایت نہ کرو؛ اور ان کے مصالح دریافت کرنا ہیں تو اپنے مرشد شیخ شریف علی وجودی کے پاس جاؤ۔ مگر یاد رکھنا کہ اب تم عالم نور کی سیر کر آئے ہو لہٰذا ان کو اسی روحانی لقب سے

یاد کرنا جو اس سروشستان میں مشہور ہے ۔

**حسین :** کیا ان کا کوئی اور لقب بھی ہے؟ میں نے تو نہیں سنا ۔

**کاظم جنونی :** ہاں ، اس عالم عناصر میں تو ان کا یہی نام ہے جو تم جانتے ہو مگر اس عالم نور میں وہ وادیِ ایمن کہے جاتے ہیں ۔

**حسین :** (تعجب سے) وادیِ ایمن ! (اور پھر ذرا سوچ کے) بے شک انہیں وادیِ ایمن ہی کہنا چاہیے ۔ ان ہی کے پہلو میں مجھے نور حقیقت کی پہلی شعاع نظر آئی ۔

**کاظم جنونی :** بس اب چلو اور حلب کا ارادہ کرو ۔

**حسین :** مگر مجھے اتنا ضرور بتا دیجیے کہ اس عالم نور میں کبھی پھر بھی میرا گزر ہو سکے گا ؟

**کاظم جنونی :** اس امر میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ، مگر ہاں یہ یقینی ہے کہ اگر تمھارے مرشد کی توجہ ہو تو سب باتیں ممکن ہیں ۔

کاظم جنونی نے اس جملے سے حسین کے سینے میں امید کے چراغ کو ذرا اور اکسا دیا ۔ آخر دونوں نے اس وحشت ناک مسکن دام و دد کو چھوڑا اور شہر اصفہان میں آئے ۔ کاظم جنونی نے اپنی مسجد کے دروازے پر پہنچتے ہی آواز لگائی ”دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ“ جس کے بعد حسین نے اسے رخصت کیا اور شہر حلب کی راہ لی ۔

اس سفر میں حسین ہر وقت جنت اور اس کی حوروں کی ادھیڑ بن میں رہتا ۔ اگرچہ اس کا جسم اس دنیا میں تھا لیکن اس کے خیالات اور اس کے اعتقاد میں اس کی روح علی الدوام اس دوسرے عالم نور کے مزے لیتی رہتی ۔ وہ دل میں کہتا : ”اتنے انقلابات کے بعد اب مجھے یہ تو معلوم ہوگیا کہ ’موتو قبل

اَنْ تموتو' کے کیا معنی ہیں ؟ یا اس دنیا میں رہنے سہنے کے ساتھ انسان اس عنصرستان سے قطع تعلق کرکے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ عالم ملکوت میں کیوں کر صرف کرتا ہے ۔ اب اس مرتبہ جب کہ وہ اصفہان سے حلب کو جا رہا تھا ، اُسے ایک بہت ہی نئی اور حیرت میں ڈالنے والی چیز نظر آئی ۔ وہ جس گاؤں یا جس دشت و در میں گزرتا ، اکثر لوگ خود بہ خود اسے پہچان لیتے کہ جنت کی سیر کر آیا ہے اور پاس آ آ کے مبارکباد دیتے ۔ وہ دل میں پریشان تھا کہ یہ کیا بات ہے اور کون سی علامت ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو میری حالت معلوم ہو جاتی ہے ۔ بعض لوگوں سے اس راز کو دریافت بھی کیا مگر کسی نے کچھ نہ بتایا ۔ زمرد اب اس کے دل و دماغ پر پہلے سے زیادہ حاوی تھی ۔ اُٹھتے بیٹھتے ، سوتے جاگتے ہر حالت میں اس کی دل فریب تصویر پیش نظر رہتی ۔ وہ کبھی اپنی طرف بلاتی تھی اور کبھی صبر و تحمل کی تاکید کرتی تھی ۔ یہی مزیدار اور پریشان کن خواب دیکھتا ہوا وہ شہر حلب میں پہنچا اور شیخ علی وجودی کے سامنے جاتے ہی اُن کے قدموں پر گر پڑا ۔ شیخ نے اُٹھا کے اُس کی پیشانی چومی اور پیٹھ ٹھونک کے اپنے برابر بٹھایا اور کہا : "اے حسین ! تو لاہوت اکبر کی سیر کر آیا ؟"

**حسین** : یا شیخ! اس عالمِ نور کی میں نے پوری کیفیت دیکھ لی ۔ اور اے وادیِ ایمن ! تیرے پہلو میں مجھے وہ جلوہ نظر آ گیا جس کے اشتیاق کے سوال پر موسیٰ کو بھی لن ترانی کا جواب ملا تھا ۔ مگر کیا کہوں کہ میں نے کن حسرتوں سے اس حیّز نور کو چھوڑا ہے !

**شیخ** : اے تیرہ و تار مشت غبار! بتا تو ، نے وہاں کیا

دیکھا ؟

حسین : ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی ۔

شیخ : جذبات نور ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ زمرد سے ملا تھا ؟

حسین : (شیخ کے قدم چوم کے) ملا تھا ، مگر ابھی سیری نہیں ہوئی ۔ آہ! جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ نظر کے سامنے سے غائب ہو گئی ۔

شیخ : مگر تیرا یہ جسم خاکی اس نورستان میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا تھا ۔ اگرچہ تو کہتا ہے اور تجھے یقین ہے کہ اس عالم نور کو تو نے آنکھوں سے دیکھ لیا مگر اے حسین میں کہتا ہوں کہ تو نے نہیں دیکھا ۔

حسین : نہیں اے شیخ اور اے وادیِ ایمن ! میں نے دیکھا اور اپنے خیال کی آنکھوں سے اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں ۔

حسین کا یہ جواب سنتے ہی شیخ کو جلال آ گیا ۔ منہ میں کف بھر آیا ، آنکھیں سرخ ہوگئیں اور ایک دفعہ جوش میں آ کے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ حسین مارے خوف کے سر سے پاؤں تک کانپ گیا اور انھوں نے کہنا شروع کیا : ”اے متکبر و مغرور مشتِ خاک ! تیری کیا مجال کہ اس نور لم یزلی کو ان ذلیل آنکھوں سے دیکھ سکے ۔ تو ان مادی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جن میں انوار ازلیہ کی اشعات لامعہ آدھی ضو کے ساتھ بھی نہیں چمک سکتیں ۔ تیرے جسم کے سامنے وہ نور غیر متحیز متحیز بن کے نمایاں ہوا تھا ۔ اس کے اصلی کیفیات کو تیری یہ آنکھیں کسی طرح معلوم نہیں کر سکتی تھیں ۔ مگر ہاں تو ان انوار کو دیکھے گا اور ان کی اصلی حالت و کیفیت میں

دیکھے گا، مگر کب؟ جب اس جسم خاکی کو چھوڑ کے اور مجرد محض بن کے. اس حیز نور میں جائے گا۔ اس وقت تجھے یہ بھی نظر آ جائے گا کہ اسی نور ازل کا ایک چراغ تو بھی ہے۔"

حسن : (کانپتی ہوئی آواز سے) مگر میں تو ابھی وہاں سے آنا نہیں چاہتا تھا۔

شیخ : بے شک نہ چاہتا ہوگا، مگر یہ ممکن نہ تھا۔ نور محض کثافت مادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

حسین : لیکن اے شیخ! آپ وادیِ ایمن ہیں؛ اگر آپ چاہیں تو میں پھر اس عالم نور میں جاسکتا ہوں۔ آہ! زمرد کے لیے بہت پریشان ہوں۔

شیخ : (پھر طیش میں آ کے) اگر ہوس است ہمیں قدر بس است۔ اس سروشستان کو مادے کے قبول کرنے کی اس سے زیادہ زحمت نہیں دی جاسکتی۔ آگ میں کسی مادی چیز کو ڈال دو تو اپنا تصرف کرنے کے بعد باقی ماندہ کثافت کو الگ پھینک دیتی ہے۔ اسی طرح اس نورستان نے تیرے جسم کو اپنے حیز سے نکال کے پھینک دیا

حسین : تو پھر آپ ہی اپنے ہاتھ سے مجھے اس جسم خاکی کی قید سے آزاد کیجیے تاکہ تجرد اختیار کر کے جاؤں اور پیاری زمرد کو اپنے آغوش میں لے لوں۔ کیا عجب کہ اس وقت تک وہ میرے شوق میں اپنا آغوش پھیلائے ہوئے ہو۔

شیخ : اب وہاں تک تیری رسائی صرف امام قائم قیامت کی دست گیری سے ہوسکتی ہے۔

حسین : گو میں اس برزخ کبریٰ کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں مگر اس درگاہ میں میری رسائی اسی وقت ہوگی جب آپ میری مدد کریں ۔ آپ کی دست گیری سب پر مقدم ہے ۔

شیخ : اچھا مایوس نہ ہو ۔ مجھے تیرا ایک دفعہ اور امتحان لینا ہے ؛ اگر تو اس امتحان میں پورا اترا تو میں تجھے اس دربار امامت میں سفارش کے ساتھ پہنچا دوں گا ۔

حسین : جلدی فرمائیے ، جو حکم ہو اس کے بجا لانے کو تیار ہوں ۔ میں موت کا سب سے زیادہ آرزومند ہوں ۔ اگر اس امتحان ہی میں مجھے موت نصیب ہوگئی تو اس سے زیادہ میری کیا خوش قسمتی ہوگی ۔

شیخ : اسی وقت شہر دمشق کی راہ لے اور جس طرح بنے امام نصر بن احمد کو جو ہم باطنین کے خلاف وعظ کہا کرتے ہیں ، قتل کرکے واپس آ ۔

حسین : ابھی چلا ، مگر مجھے اتنا اور بتا دیجیے کہ کیا ہم ہی وہ باطنین ہیں جن کو کبھی لوگ قرامطہ کے اور کبھی ملاحدہ کے نام سے یاد کرتے ہیں ؟

شیخ : بے شک ! ہم اسماعیل بن جعفر صادق علیہما السلام کی امامت کے مدعی ہیں ، اور چوں کہ امامت ظاہر ہوگئی ، لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ اس کی تبلیغ و نقابت ، خفیہ اور باطنی طریقوں سے کریں ۔ انوار ازل نے یہ قدیم ہی سے فیصلہ کر دیا ہے کہ جب تک امامت ظاہر رہتی ہے نقابت و تبلیغ خفیہ ہوتی ہے اور جب امامت مخفی و باطنی ہو جاتی ہے تو نقابت و تبلیغ علانیہ ہونے لگتی ہے ۔

حسین : مگر اس کا سبب میری ناقص فہم سے بالا ہے ۔

**شیخ** : بے شک بالا ہے (زور سے گھور کے) اور تیرے جاہلانہ شکوک اور زیادہ بالا کرتے جاتے ہیں - خود خدا کی طرف اپنا خیال لے جا کہ وہ مخفی ہے اور اسی لیے اس کی توحید کی تبلیغ علانیہ ہوتی ہے -

**حسین** : مگر یا وادیِ ایمن ! نبوت تو ظاہر رہی اور اس کے ظہور کے زمانے میں برابر علانیہ تبلیغ ہوتی تھی -

شیخ علی وجودی کے منہ میں پھر کف بھر آیا اور سخت برہمی کے لہجے میں وہ چلائے : "ابھی تک شیطان تیرے دل میں بیٹھا ہے ، وہ تجھے بہکا رہا ہے اور تو پھر عالم نور میں جانے کی آرزو کرتا ہے ؟ سن ! اس نظام کا تعلق صرف امامت سے ہے - نبوت ہمیشہ ظاہر رہی اور ظہور کے زمانے میں علانیہ تبلیغ بھی ہوتی رہی ؛ تاہم نبوت اور رسالت کس چیز کی طرف لوگوں کو بلاتی ہے ؟ خدا کی طرف اور فردوس بریں کی طرف اور یہ دونوں دنیا کی نظر سے مخفی ہیں -"

**حسین** : (ڈرتے ڈرتے) مگر امامت بھی تو ان ہی دونوں چیزوں کی طرف بلاتی ہے ؟

اب شیخ کو غصے نے آپے سے باہر کر دیا تھا ، ایک دفعہ چمک کے آٹھ کھڑے ہوئے اور کہا : "تو عالم نور کی سیر کر آنے پر بھی جاہل اور شکی ہے - عہد نبوت میں جنت اور وہ نورلانور اس قدر نمایاں نہ تھے جتنے کہ اب عہد امامت میں ہیں - رسالت نے کبھی کسی مادی پیکر کو اس سروشستان میں نہیں بھیجا اور امامت برابر بھیج رہی ہے ، جس کا قطعی نتیجہ ہے کہ فردوس بریں اور وہ نور ازلی پہلے مخفی تھے اور اب نمایاں ہیں - اور چوں کہ اب نمایاں ہیں ، للہذا تبلیغ و نقابت کو خفیہ طریقوں سے ہی اپنا عمل کرنا چاہیے -"

حسین : یا وادیِ ایمن! اب مجھے اطمینان ہوگیا، اور ضرور تھا
کہ اپنے ان شکوک کو دفع کرتا، اس لیے کہ میں نے
اس مذہب کی نسبت بہت سی بے سرو پا باتیں سنی تھیں،
اور سنا تھا کہ التمونت کے قلعے میں لوگ طرح طرح
کے فریبوں سے اس مذہب کے پابند بنائے جاتے ہیں۔

شیخ : یہ دشمنوں اور جہلا کی افترا پردازیاں ہیں۔ ایسے
لوگ جن کو چشمِ بصیرت نہیں اور جو ان انوارِ ازلیہ
کے سامنے خفاش سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، ان کے
کہنے کا کیا اعتبار؟ اتنے مدارج یقین طے کرکے تجھے
نظر آگیا ہوگا کہ ہم کس ملاءِ اعلیٰ پر ہیں اور کس
آسانی سے سروشستان کی سیر کر آتے ہیں۔ اور وہ کس
قعرِ جہالت میں پڑے ہیں اور کس طرح تحت الثریٰ
کی طرف روز بروز زیادہ دھنستے چلے جاتے ہیں۔

حسین : مجھے معلوم ہے۔

یہ کہہ کے حسین شیخ سے رخصت ہوا اور امام نصر بن احمد کی جان لینے کے لیے دمشق کی راہ لی۔

حسین اب ایسے کاموں کے لیے زیادہ جری تھا۔ پہلے موقع پر جو شبہات اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے، اب نام کو بھی نہ تھے۔ اس کو یقین تھا کہ جنت یقیناً انھیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کا وہ معتقد ہے اور ان کے اشارے پر ہر برے یا بھلے کام کا کرنا ہی ذریعۂ نجات ہے۔ باوجود اس کے ایک جلیل القدر عالم کے قتل میں اس کے دل نے کسی قدر پس و پیش ضرور کیا، مگر شیخ اور زمرد کے خیال نے پھر اس کا دل آگے بڑھایا۔ وہ نہایت ہی سنگ دلی کے ساتھ مرشد کے وحشیانہ حکم کی تعمیل کے لیے دمشق میں پہنچا اور امام نصر کے عقیدت کیشوں

میں شامل ہوگیا۔
اس سفر میں بھی وہ حیرت سے دیکھتا تھا کہ بعض لوگ راہ چلتے چلتے پہچان کے اُس سے بغل گیر ہوتے اور یک جہتی و اخوت کا ثبوت دیتے، جس سے اُسے یہ بھی نظر آ جاتا تھا کہ اُس کے ہم عقیدہ و ہم خیال کس کثرت سے دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خوش نصیبی یا دل کی بے صبری سے مہینے ہی بھر میں اُسے اپنی غرض حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک پچھلی رات کو جب کہ امام نصر پڑوس کی مسجد میں اور سب سے چھپانے کے لیے اندھیرے میں تن تنہا کھڑے نماز تہجد ادا کر رہے تھے، حسین کا خنجر ان کے دل میں اُتر گیا۔ حسین نے ایک ہاتھ سے ان کا منہ بند کر لیا تھا اور قتل کرکے گراتے ہی مینے پر چڑھ بیٹھا اور انھیں نیچے دبا کے بیٹھ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ ان کی آواز نکلنے پائی اور نہ تڑپنے پائے۔ جب لاش بالکل ٹھنڈی ہوگئی تو وہ پچھلی رات کے سناٹے ہی میں مسجد سے نکلا چلا گیا۔ راستے میں ایک نہر کے کنارے بیٹھ کے اپنے کپڑے دھوئے اور حلب کو روانہ ہوا۔

شیخ علی وجودی نے اس کی کارگزاری کی داد دی اور اس کی پیٹھ ٹھونک کے کہا: "حسین! تو مراحل یقین کو بہت جلد طے کر رہا ہے، امید ہے کہ اپنے اغراض میں کامیاب ہو۔"

**حسین**: یا وادی ایمن! مجھے ایک امر پر بڑی حیرت ہے: میں جہاں جاتا ہوں اور جس جگہ ہوتا ہوں میرے ہم خیال و ہم عقیدہ صورت دیکھتے ہی مجھے پہچان لیتے ہیں اور میں ان کو نہیں پہچان سکتا۔

یہ سنتے ہی شیخ نے اپنے صندوق سے ایک آئینہ نکالا اور اُسے دکھا کے کہا: "اپنی صورت دیکھ، تجھے اپنے چہرے پر

کوئی چیز نظر آتی ہے؟"

**حسین** : ہاں پیشانی پر ایک داغ ہے ، مگر معلوم نہیں کیسا داغ ہے ؛ شاید بچپن میں کبھی گر پڑا ہوں گا ۔

**شیخ** : (مسکرا کے) نہیں ، یہ حور کے بوسے کا نشان ہے ۔ یہی ایک مہر ہے جو ہمیشہ اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ انسان اپنے اس قفس عنصری کے ساتھ فردوس بریں کی سیر کر آیا ہے ۔

**حسین** : تو جن لوگوں نے مجھے پہچانا ، غالباً ان کی پیشانیوں پر بھی یہ حور کے بوسے کا نشان موجود ہوگا ؟

**شیخ** : بے شک ہوگا ؛ اور حسین دیکھ ، میری پیشانی پر بھی موجود ہے ۔

**حسین** : (شیخ کی پیشانی پر بھی وہی اپنا سا داغ دیکھ کے) بے شک یہ مدارج یقین طے کرنے کا تمغہ ہے ۔

**شیخ** : حسین ! یہ بہت بڑی چیز ہے ۔ مرنے کے بعد سب مومنین جنت میں جائیں گے ، مگر جو لوگ دنیاوی زندگی ہی میں اس مرکز نور کی سیر کر چکے ہیں ، ان کا یہ فخر وہاں بھی موجود رہے گا ۔ یہ داغ وہاں پیشانیوں پر نور کی طرح چمکے گا اور عام ناجیوں میں ہم لوگوں کو ممتاز ثابت کرے گا ۔

**حسین** : مگر مجھے یہ داغ اس دنیا ہی میں عزیز ہے ۔ کاش ! میرے لب میری پیشانی تک پہنچ سکتے کہ میں اس داغ کو بوسے دے دے کے اپنے دل کی تسلی کرتا ۔ میری پیشانی پر سوا زمرد کے اور کسی کے بوسے کا نشان نہیں ہوسکتا ۔ اگر میرے بوسے لیے ہیں تو صرف اسی کے لب لعلیں نے ۔

بوسم من بے برگ و نوا برگِ حنا را
تا بوسہ بہ پیغام دہم آن کف پا را

مگر افسوس ! جس طرح زمرد میرے دل میں ہے لیکن ہاتھ نہیں آسکتی ، اسی طرح اس کے بوسے کا نشان ہر وقت میرے پاس ہے اور مجال نہیں کہ اپنے مشتاق ہونٹوں کو وہاں تک پہنچا سکوں ۔

**شیخ** : اب ان شاعرانہ خیالات کو دور کرو اور امام قائم قیامت کی قدم بوسی کے لیے تیار ہو ۔

**حسین** : لبیک! مگر یا وادیِ ایمن! اتنا اور بتا دیجیے کہ ان کو امام قائم قیامت کیوں کہتے ہیں ؟

**شیخ** : یہ بھی رموز ربانی میں سے ایک رمز ہے ۔ تجھے شاید ابھی تک آن ائمہ کے نام بھی نہ معلوم ہوں گے جو نور لم یزلی کی شعاعیں ہیں اور مختلف اوقات میں مختلف جسدوں سے نمایاں ہوتی رہیں ۔ یہی ائمہ ہمیشہ ناسوت اکبر ہوتے رہے ہیں ۔ وہی نور جو آدم ؑ ، نوح ؑ ، ابراہیم ؑ ، موسیٰ ؑ ، داود ؑ ، سلیمان ؑ ، عیسیٰ ؑ اور محمد صلواۃ اللہ علیہم کے اجساد مطہرہ سے لمعہ افگن ہوتا رہا تھا ، آخر علی مرتضیٰ کے جسد انور میں نمودار ہوا ، اور چوں کہ اب نبوت ختم ہو چکی تھی ، لہذا اُس ایک نور یا ایک روح نے مختلف اجساد بدلنے شروع کیے ۔ پھر حسین و علی زین العابدین و محمد باقر علیہم السلام کے اجساد کی سیر کرتے وہ نور جناب جعفر صادق کے جسد انور سے نمایاں ہوا اور وہ زندہ ہی تھے کہ ان کے پیکر جسدی کو چھوڑ کے پہلے جناب اسماعیل میں

پھر محمد مکتوم ابن اسماعیل میں جو سابع تام تھے آیا۔ چند روز تک وہ نور سلسلہ وار امام منصور بن محمد مکتوم، جعفر مصدق اور حبیب بن جعفر کے اجساد مطہرہ میں خفیہ ہی خفیہ لمعہ افگن رہا۔ جناب اسماعیل سے اس وقت تک امامت مخفی رہی تھی۔ اب یکایک اس نور نے عبیداللہ مہدی کی ذات سے نمایاں ہو کے اپنی پوری تنویر دکھا دی اور امامت ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد سے وہ نور برابر علانیہ طور پر مختلف اجساد طاہرہ کو بدلتا رہا۔ پہلے قائم بامراللہ کے جسم سے، پھر منصور کے، پھر المعزالدین اللہ کے، پھر عزیز باللہ کے، پھر حاکم بامراللہ کے، پھر الظاہر لاعزاز دین اللہ کے، پھر المستنصر باللہ کے جسم سے چمکا۔ مستنصر باللہ کے بعد نزار، پھر حسن بن محمد یعنی علی ذکرۃالسلام، پھر محمد ابن علی ذکرۃ السلام کے جسموں نے لاہوتیت کبریٰ کا درجہ پایا، اور فی الحال وہی انوار ازلی رکن الدین خور شاہ کے جمال جہاں آرا سے نمودار ہیں جو فرمانروائے التمونت ہیں۔ وہی امام قائم قیامت البرزخ بین اللاہوت و الناسوت اور وہ تجلی ہیں جو مختلف جسد ہائے امامت و نبوت سے لمعہ افگن رہی تھی۔

حسین : (حیرت سے) وہی جن کے ہاتھ پر میں نے اس عالم لاہوت میں بیعت کی تھی؟

شیخ : وہی!

حسین : مگر آپ تو فرماتے ہیں کہ وہ التمونت کے فرمانروا ہیں ؟

شیخ : بے شک ہیں! مگر یہ علائقِ دنیوی ان کے تجرد اور

ان کی اس نورانیت کو جو عالم سروش میں لے جاتی ہے ، دھندلا نہیں کر سکتے ۔ امامِ دینی اور عام لوگوں میں یہی فرق ہے کہ جس چیز کو ہم محنت و ریاضت سے حاصل کرتے ہیں انھیں فطرتاً بدرجۂ اتم حاصل رہتی ہے ۔ اسی لحاظ سے وہ عالمین کے برزخ کہے جاتے ہیں ۔

**حسین :** اور وہ امام قائم قیامت کیوں کہلاتے ہیں ؟

**شیخ :** ( کسی قدر برہم ہوتے ہوئے رک کر ) ہاں میں نے اس کا راز ابھی نہیں بتایا ۔ امامین مستنصر و نزار کے عہد میں انھیں انوار ازلی کی ایک نئی اور غیرمعمولی شمع روشن ہوئی تھی ۔ گو یہ شمع دراصل اسی قدیم نور امامت کا انعکاس تھی مگر اتنا بڑا انعکاس کامل کہ اس کی ضو سے تمام ممالک ارض چمک اٹھے ۔ اس سے وہ چراغ نور مراد ہے جو حسن بن صباح کے جسم صافی میں چمکا تھا ۔ یہ لقب قائم قیامت اسی آئینۂ پرتو ایزدی کا ہے جس نے یکایک صعود مدارج اعلیٰ اور نورستان میں پہنچ جانے کے اتنے صحیح ذریعے مخلوق میں پیدا کر دیے کہ ادنیٰ ادنیٰ لوگوں کو وہ کمال حاصل ہو گیا جو گزشتہ عہدوں میں سوا انبیا اور ائمہ کے کسی کو حاصل نہ تھا ۔ پہلے کوئی فردوس بریں میں جانے کا خیال بھی نہ کر سکتا تھا مگر اب اس اعلیٰ پرتو ایزدی کے ظہور کے بعد یہ حالت ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے ایک دم میں اس عالم نور کی سیر کر آتا ہوں اور تم اور تم سے صدہا مومنین اس سروشستان

میں جا کے حوروں کی ہم کناری کا مزا اٹھا آئے ہیں۔ قیامت کے معنی ظاہر پرستوں میں اس وقت کے ہیں جب کہ دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی مگر حقیقت شناس جانتے ہیں کہ قیامت صرف اس حالت یا وقت کا نام ہے جب کہ مخلوق کو خالق سے یا پرتو کو نور سے قربت ہو جائے ۔ حسن بن صباح نے چونکہ اپنے عہد سے مخلوق کو ایسے تقرب کے درجے پر پہنچا دیا ، لہٰذا وہ امام قائم قیامت کہلاتے ہیں ، یعنی وہ امام جس کی بہ‌دولت مخلوق و خالق میں قربت ہو گئی ۔ اور اسی قربت کا نتیجہ ہے کہ ان کے چند ہی روز بعد امام علی ذکرۃ السلام میں وہ امامت قدیمہ جو جناب علی مرتضیٰ سے نسلاً بعد نسل چلی آتی تھی اور نیز وہ امامت قائم قیامت جس کا چراغ پہلے پہل حسن بن صباح کے حیز میں روشن ہوا تھا ، دونوں امامتیں[1] جمع ہو گئیں اور یکایک انوار لم یزلی ہیجان میں آ گئے ۔ بس اسی وقت سے تمام تکلیفات شرعیہ بندوں پر سے اٹھا دیے گئے ۔

---

۱ - دونوں امامتیں اس طرح جمع ہوئیں کہ قائم قیامت کی امامت تو حسن بن صباح کی جانشینی سے ملی اور دوسری امامت قدیمہ اس طریقے سے کہ علی ذکرۃ السلام نے بڑی تاویلوں اور رکیک توجیہات سے دعویٰ کیا تھا کہ میں اس کا بیٹا نہیں جس کی طرف منسوب ہوں بلکہ در اصل میں نزار بن مستنصر فاطمی کے ایک بیٹے کا بیٹا ہوں جو قلعہ التمونت میں چھپا ہوا تھا ۔ اس طرح اپنا سلسلۂ نسب بنی فاطمہ سے ملا کے اس نے خود سید ہونے اور امامت موروثی کے پانے کا دعویٰ کیا تھا ۔

رمضان کی ۲۷ کو اس قربت نور پرتو کا یہ جلوہ نظر آیا تھا ، یعنی مومنین شرعی قیدوں سے آزاد ہوئے تھے ۔ اسی سبب سے وہ دن ہمارے لیے عید ہے ، اور اس کی یاد میں یہ وظیفہ ہر وقت اور ہمیشہ ہماری زبان پر رہتا ہے :

برداشت غل شرع بہ تائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرۃ السلام

**حسین** : (متحیر ہو کے) مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ شب و روز ریاضت ہی میں مشغول رہتے ہیں اور آپ ہی کی طرح اس فرقۂ ناجیہ کے جتنے پیرو مجھے ملے سب پابند شرع ، بڑے محتاط اور بڑے متقی و پرہیزگار نظر آئے ۔

**شیخ** : جو لوگ عرفان و حقیقت کے مدارج طے کرنا چاہتے ہیں ان کو بے شک عبادت و ریاضت کرنی پڑتی ہے ، مگر مومنین پر فرض اب کوئی عبادت نہیں ۔ خاصۃً ان برگزیدگان بارگاہ لم یزلی کے لیے جو امام قائم قیامت سے تقرب رکھتے ہیں ۔

**حسین** : مگر یا وادیِ ایمن ! میرا دل پھر آپ کی توجہ کا محتاج ہے ۔ تکلیفات شرعیہ کا اٹھا دینا ایک ایسی چیز ہے جس سے میرے دل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں ۔

**شیخ** : (برہمی کے ساتھ) اتنے مدارج حقیقت طے کرنے پر بھی شک ؟ سروشستان اور عالم نور کی سیر کر چکنے کے بعد بھی شک ؟ اب یہ شک نہیں گستاخی ہے ۔ جانتا ہے کہ ساری عبادتیں خداوند جل و علا کی قربت حاصل کرنے کے لیے ہیں اور جب وہ قربت حاصل

ہو جائے تو پھر کسی عبادت کی ضرورت نہیں رہتی -
تم نے سنا ہے اور دیکھ بھی لیا ہوگا کہ جنت میں
کوئی شخص عبادت کا مکلف نہیں - اس کا یہی منشا
ہے کہ جس تقرب انوار لم یزلی کے لیے عبادت کرتے
ہیں وہ وہاں ہر ایک کو یوں ہی حاصل ہوتا ہے -

حسین : بے شک ! وہ مرکز نور منزل مقصود ہے اور عبادت
اس کا راستہ - جنت میں پہنچ جانے کے بعد فی الحقیقت
کسی عبادت کی ضرورت نہیں رہتی - لیکن جو لوگ
ابھی اس کے باہر ہیں ان کی نسبت نہیں کہا جا سکتا
کہ منزل مقصود کو پہنچ گئے - وہ چل رہے ہیں اور
راستے میں ہیں ، للہذا ان کو عبادت کرنے کی ضرورت
بھی ہے -

شیخ : (انتہا سے زیادہ از خود رفتہ ہو کے اور منہ میں کف بھر
لا کے) اس پیکر خاکی کو شبہات ہی نے خراب کیا !
یہ برابر شک کرتا ہے اور اپنے شکوک میں بڑا ضدی
ہے - سن اے حسین ! امام قائم قیامت نے جو اپنے
آپ کو بتایا کہ وہ اس عالم نور میں ہیں اور حیز
عنصری سے باہر ، اس سے یہی معنی تھے کہ گو بظاہر
ان کا جسد اس عالم مادی میں نظر آتا ہے مگر
دراصل وہ ان مادیات سے دور اور اس سروشستان
اعلٰی میں ہیں - ان سے ملنے اور ان کے جوار میں رہنے
کے یہی معنی ہیں کہ گویا انسان اس تیرہ ظلمت کدۂ
ارض سے نکل کے لاہوت اکبر کے قریب جا پہنچا -
پھر وہاں پہنچ جانے کے بعد عبادت کیسی؟

حسین : بجا ہے - میرا شبہ دور ہوگیا - آپ کی تقریر سے ہمیشہ

دل کے شکوک دور ہو جاتے ہیں اور اسی اطمینان کے حاصل کرنے کے لیے میں اپنے شبہوں کو بلا تامل آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں ۔

شیخ : خیر ، تم اس امتحان میں بھی پورے اترے ۔ اب میں تم کو امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجتا ہوں ۔ جاؤ اور ان کے احکام کی بلا عذر اطاعت کرو ۔ آج صفر کی ۲۰ ہے ، رمضان کی ۲۷ کو عید قائم قیامت ہوگی ؛ اس تاریخ کو میں بھی وہاں آؤں گا اور شیخ طور معنی بھی وہاں موجود ہوں گے ۔ اگر اتنے دنوں میں تم نے امام قائم قیامت پر اپنی اطاعت کیشی و عقیدت کا پورا اثر ڈال دیا تو میں بھی تمھاری سفارش کروں گا اور طور معنی بھی کریں گے اور اسی وقت تم کو زمرد سے ملنے میں کامیابی بھی حاصل ہوگی ۔ مگر خیال رکھو کہ اس اعلیٰ دربار امامت میں انسان کے سر سے بہت تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں ۔ وہاں کی عبادت صرف اطاعت و انقیاد ہے ۔ اور اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر اس کا علاج نہ میرے پاس ہے اور نہ کسی اور شخص کے پاس ۔ اس درگاہ کا راندہ مردود ازلی اور رحمت الٰہی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہے ۔

حسین : میں کسی حکم سے سرتابی نہ کروں گا ۔

شیخ : وہ ایسا مقام بھی نہیں جہاں تم اپنے دل کے شکوک کو اسی بے تکلفی سے ظاہر کر دیا کرو جس طرح میرے سامنے کرتے رہے ہو ۔

حسین : کبھی کسی امر میں شک نہ کروں گا ۔

**شیخ** : اگر اتنے مضبوط ہو تو کل صبح کو تم یہاں سے روانہ ہو کے التمونت کی راہ لو۔ میں ایک خط دوں گا اُسے لے کے امام کی خدمت میں حاضر ہونا اور جب تک وہاں سے یا مجھ سے کوئی اور حکم نہ ملے اس دربار کو نہ چھوڑنا۔

**حسین** : ہرگز نہیں۔ اور یہ کہہ کے اس نے پھر شیخ کے قدم چوم لیے۔

دوسرے دن علی الصباح وہ شیخ علی وجودی سے خط سفارشی لے کے رخصت ہوا اور مشرق کی راہ لی۔ چند روز میں بغداد و اصفہان ہوتا ہوا علاقۂ رودبار میں پہنچا۔ اس سفر میں وہ اپنے ہم مذہبوں کو حوروں کے بوسے کے نشان سے بے کچھ کہے سنے اور بے بتائے پہچان لیا کرتا تھا جو ہر شہر و قریے میں ملتے اور اس کے ساتھ نہایت ہی خلوص و عقیدت سے پیش آتے۔

دیلم کے ایک گاؤں میں ایک باطنی شخص جو اپنی پیشانی کے نشان سے بتا رہا تھا کہ وہ بھی جنت الفردوس کی ہوا کھا آیا ہے، حسین کو نہایت ہی خلوص و پاک دلی سے اپنے گھر لے گیا اور کئی دن تک مہمان رکھا۔

اس شخص کے گھر پر ایک صحبت میں کئی ایسے باطنی جمع ہوئے جن کو اسی سال دو سال کے اندر جنت کی ہوا کھلائی گئی تھی۔ لوگوں نے صحبت کو اغیار سے خالی اور اپنے ہم عقیدہ و ہم خیال لوگوں ہی پر محدود دیکھ کے باہم جنت کا تذکرہ شروع کیا۔ اثنائے کلام میں ایک شخص بولا: "مگر مجھے جنت میں بھی ایک تمنا رہ گئی۔"

**دوسرا** : (حیرت سے) وہ کیا؟

پہلا : وہاں ایک ایسی دلفریب نازنین نظر آئی کہ دل بے اختیار ہاتھ سے نکل گیا ، لیکن خدا جانے کیا بات تھی کہ ہزار کوشش کی مگر اس آفت زمانہ حور نے بات کا جواب تک نہ دیا ۔

دوسرا : واقعی تعجب کا مقام ہے ۔ جنت میں تو ایسا نہ ہونا چاہیے ۔ کسی حور کی طرف تمھارے دل کو میلان ہو اور وہ التفات نہ کرے تو یقیناً سارا لطف خاک میں مل جائے گا ۔

یہ سن کے ایک تیسرا شخص بول اٹھا: "حقیقت میں اس قسم کے بعض نقصانات وہاں انسان کو نظر آ جاتے ہیں ۔ اس مسئلے کو میں نے شیخ کے سامنے بھی پیش کیا تھا جنھوں نے بہت آسانی سے میرا اطمینان کر دیا ۔ انھوں نے بڑے جوش و خروش سے کہا تھا اور گویا اس وقت بھی میرے کانوں میں کھڑے کہہ رہے ہیں : " تم اپنے مادی پیکر کے ساتھ ہزارہا کثافتیں اور دنائتیں لے کے تو اس عالم نور میں جاتے ہو اور پھر امید کرتے ہو کہ سروشستان کو اسی پاک و مجرد حیثیت سے دیکھو جس طرح غیر مادی آنکھیں دیکھتی ہیں ۔ یہ خود تمھارے نقصان اور تمھارے مادی عجز ہیں جو اس حیز نور کو معیوب دکھاتے ہیں ۔"

پہلا : اور ہاں میں نے یہ بھی سنا تھا کہ اس حور کو وہ تجرد بھی نہیں حاصل جو اوروں کو ہے ، اس لیے کہ اس کے مادی تعلقات کایتہً منقطع نہیں ہونے پائے تھے ۔

دوسرا : بے شک یہی سبب ہوگا ۔ اول تو اس حور میں ذاتاً یہ نقصان موجود تھا ، پھر تمھیں اپنی مادی آنکھوں سے اور زیادہ بدنما نظر آیا ۔

حسین : (کسی قدر تعلق خاطر سے) اور کچھ یہ بھی معلوم

ہوا کہ اس حور کا نام کیا تھا ؟

پہلا : ہاں مجھے بتایا گیا کہ اس کا نام زمرد ہے اور میری حور نے جس کے آغوش کا مزہ زندگی بھر نہ بھولے گا، یہ بھی بتایا کہ اسے کسی خاکی پیکر سے اس قدر تعلق ہے کہ جنت کی سیر کرنے والوں میں سے کسی کی طرف التفات نہیں کرتی ۔

دوسرے دن حسین یہاں سے رخصت ہو کے آگے روانہ ہوا اور دو ہی چار روز میں قلعہ التمونت کے پھاٹک پر کھڑا تھا ۔

چھٹا باب

# مردود ازلی

قلعۂ التمونت کے پھاٹک پر حسین روکا گیا اور چوں کہ اندر داخل ہونے کا اجازت نامہ نہیں پیش کر سکا، لہٰذا وہی خط جو شیخ علی وجودی نے لکھ دیا تھا اُس سے لے کے پہلے قلعہ دار کے پاس بھیجا گیا، پھر رکن الدین خور شاہ کے ملاحظے میں پیش ہوا، جو ان دنوں تمام باطنین کا امام اور علی ذکرۃ السلام کا پوتا تھا - خور شاہ کا ہنوز عنفوان شباب تھا مگر چوں کہ ان لوگوں کے عقیدے میں امام پیدا ہوتے ہی امام ہوتا ہے، لہٰذا اس کے تقدس و وجاہت میں نوعمری سے کوئی فرق نہیں آنے پاتا - ان کے نزدیک اگر رتبۂ امامت حاصل ہو تو ایک چھ برس کا بچہ اور ساٹھ برس کا بوڑھا دونوں یکساں معصوم ہیں اور دونوں کے احکام یکساں طریقے سے واجب التعمیل ہیں - یہ سلطنت اور مذہب دونوں حسن بن صباح کی بے نظیر کوششوں سے قائم ہوئے تھے جس کو اب ڈیڑھ سو برس گزر چکے، اور باوجودیکہ دنیا میں بڑے بڑے انقلابات ہو گئے مگر اس خاندان کا وہی دور دورہ رہا - بعض دلیر اور اولوالعزم حملہ آوروں نے دو ایک مرتبہ یہاں کی پولٹیکل قوت کو ضرر پہنچا دیا مگر مذہبی اثر اب پہلے سے بھی زیادہ ترقی پر ہے

اور التمونت کا قلعہ اسی طرح محفوظ و مامون چلا آتا ہے جس پر مخالفت کے ساتھ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا ۔

مذہبی مقتدائی کا تاج تو یہاں کے تاج داروں کے سر پر ابتدا ہی سے تھا مگر علی ذکرۃالسلام کے عہد سے یہ لوگ اپنے آپ کو امام اور یادگار خاندان بنی فاطمہ بھی کہنے لگے اس لیے کہ ذکرۃالسلام نے دعویٰ کیا کہ میں جب بچہ تھا ، نزار بن مستنصر فاطمی کے پوتے سے مخفی طور پر بدل لیا گیا ۔ اس وقت سے ان لوگوں نے علانیہ امامت کا دعویٰ کر دیا اور اب اپنے آپ کو نور محض اور لاہوت و ناسوت کا برزخ ظاہر کرتے ہیں ۔ جو لوگ بادشاہ یا امام کے احکام کو بے عذر و بے حجت آنکھیں بند کرکے بجا لاتے ہیں اور جن کے خنجر سے سارا زمانہ کانپ رہا ہے ، فدائی کہلاتے ہیں ۔ اور ان کی یہ حالت ہے کہ مقتدا اور فرمانروا کے حکم پر جان دینا اور خودکشی کر لینا بھی ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں ۔ انہیں فدائیوں کی وجہ سے جو رعب و داب رکن الدین خور شاہ کے دربار میں ہے ، شاید اس عہد کے کسی بادشاہ کے دربار میں نہ نظر آتا ہوگا ۔ یہاں کسی کی اتنی مجال بھی نہیں کہ بادشاہ کے سامنے بے ادبی و مخالفت کا خیال بھی دل میں لا سکے ۔

شیخ علی وجودی کا خط دیکھتے ہی حسین کو باریابی کی اجازت دی گئی ۔ بڑے بڑے قوی ہیکل اور مہیب شکل و شمائل کے فدائی اسے پکڑ کے خورشاہ کے سامنے لے گئے ۔ حسین نے سامنے جا کے جیسے ہی فرمانروائے التمونت کی صورت دیکھی دوڑ کے قدموں پرگر پڑا اور چلایا : ”ہٰذا امامی! ہٰذا امامی !“ رکن الدین اس کے اٹھانے کے لیے جھکنے ہی کو تھا کہ اہل دربار میں سے بعض ممتاز لوگوں نے اسے اٹھا کے کھڑا کیا اور

کہا: "بے شک یہی امام زمانہ اور نور محض ہیں، مگر ادب و صبر سے کام لو اور جو التجا ہو پیش کرو۔"

**خورشاہ:** اے نوجوان آملی! تجھ میں کیا بات ہے کہ وادیِ ایمن تیری انتہا سے زیادہ تعریف کرتے ہیں؟ وہ تیرے علم و فضل کے بھی مداح ہیں اور تیری بہادری و جان بازی کے بھی؟

**حسین:** (ادب سے زمین چوم کے) صرف اس سبب سے کہ میں نے ان کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، اور کبھی اس بحر حقیقت کے حکم سے انحراف کرنے کی جرأت نہ کی۔

**خورشاہ:** اور اب شیخ نے یہاں کس غرض سے بھیجا ہے؟

**حسین:** یا امام قائم قیامت! میں فردوس بریں کو ایک نظر اور دیکھنا چاہتا ہوں۔

**خورشاہ:** (غور کر کے) ابھی تک تو ان اشعات انوار لم یزلی سے یہی آواز آ رہی ہے کہ "لن ترانی!"

**حسین:** مگر امام قائم قیامت کی توجہ نے شفاعت کی تو ممکن نہیں کہ میری آرزو نہ بر آئے۔

**خورشاہ:** اے بوالہوس پیکر خاکی! ابھی اس کے متعلق تجھے کسی قسم کی امید نہیں دلائی جا سکتی۔

یہ کہہ کے خورشاہ ایک اور شخص کی طرف متوجہ ہونے کو تھا کہ حسین نے آب دیدہ ہو کے اور نہایت ہی پر درد اور مایوسی کی آواز میں کہا: "تو اس ادنلی جاں نثار بارگاہ امامت کو اجازت ملے کہ اسی آستانے پر ٹھہر کے اس وقت کا انتظار کرے جب کہ یہ آرزو برآئے گی۔ آئندہ عید قائم قیامت کے موقع پر وادیِ ایمن بھی یہاں تشریف لائیں گے۔ کیا عجب کہ اُس

دن جب کہ میرے مرشد اور امام یک‌جا ہوں گے اور مخلوق کو خالق سے یا پرتو کو نور سے زیادہ قربت ہوگی ، میری دعا قبول ہو جائے ۔"

**خورشاہ :** اچھا ٹھہرو ، مگر یہ خیال رہے کہ یہاں کے امتحان زیادہ سخت ہیں ۔

**حسین :** میں ہر قسم کا امتحان دینے کو تیار ہوں ۔

خورشاہ نے اس کے بعد اس دوسرے شخص کی طرف توجہ کی اور پوچھا "دیدار ! تم کب آئے ؟"

**دیدار :** (ہاتھ جوڑ کے) آج ہی صبح کو !

**خورشاہ :** اور جس کام کے لیے گئے تھے وہ پورا ہوگیا ؟

**دیدار :** میرا خنجر کبھی خالی گیا ہے ؟ اگرچہ یہ مہم دشوار تھی مگر میں جنت کے شوق میں وہاں پہنچا اور امام کے حکم کو نہایت کامیابی کے ساتھ پورا کیا ۔

**خورشاہ :** ہاں بیان کرو تم نے چغتائی خاں کو کیوں کر قتل کیا ؟

**دیدار :** یا امام قائم قیامت ! ترکستان میں اس جاں نثار کا نام متقی تھا ۔ وہاں کی مختلف صحبتوں میں شریک ہو کے فدوی نے ایسی ہر دل عزیزی پیدا کی کہ منقو خاں چغتائی خاں کے بہادر بیٹے کے دل میں مجھ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا ۔ اُس نے مجھے بلوا کے اپنے گھر میں رکھا اور کئی مہینے تک یہ حالت رہی کہ جب تک میں نہ ہوتا کسی بات میں اُس کا دل ہی نہ لگتا ۔ اُس نے مجھے اپنے باپ سے ملایا ۔ اب چغتائی خاں بھی میری باتوں کا دیوانہ تھا ۔

چند روز تک دونوں باپ بیٹوں کا میرے سوا کوئی

انیس و جلیس نہ تھا - چغتائی خاں اپنی ذات سے ایسا زبردست اور قوی ہیکل واقع ہوا تھا کہ اس پر حملہ کر کے کامیاب ہونا مجھے نہایت دشوار نظر آیا اور اسی وجہ سے مجھے کئی مرتبہ موقع ملنے پر بھی جرأت نہ ہوئی - آخر ایک روز رات کو جب کہ ہلاکو خاں کسی بڑی مہم سے آیا تھا اور منقو خاں اُس کے ملنے کو گیا تھا ، چغتائی خاں مجھے تنہا سوتا ہوا مل گیا - اس سے زیادہ مناسب موقع ملنے کی اُمید نہ ہو سکتی تھی - میں نے چپکے ہی چپکے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں ایک رسی سے باندھ دیے اور پھر سینے پر چڑھ کے اس کا کام تمام کیا - چغتائی خاں کے قتل کے بعد میں واپس چلا آتا ، مگر مجھے حکم تھا کہ ان لوگوں کو یہ بتا بھی دوں کہ چغتائی خاں کیوں قتل کیا گیا - اس غرض کے لیے ان تمام حالات کو ایک خط میں لکھ کے میں نے پہلے ہی سے اپنے پاس رکھ لیا تھا ، اب اسی خط کو لے کے ہلاکو خاں کی فرودگاہ کی طرف چلا - خوش نصیبی سے چغتائی خاں کی بیٹی راستے میں مل گئی جو ہلاکو خاں سے مل کر اپنے گھر کو آ رہی تھی - رات کے اندھیرے میں میں نے وہ خط اس کے ہاتھ میں چپکے سے رکھ دیا اور بھاگ کے قریب کے ایک جنگل میں چھپ رہا - دوسرے دن صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ قراقرم[1] ماتم کدہ بنا ہوا ہے اور ہر شخص کو میری جستجو ہے - بعد موقع پا کے

---

۱ قراقرم تاتاریوں کا قدیم دارالسلطنت تھا جو کاشغر کے قریب ہے -

میں نے ایک غار میں پناہ لی اور پورے آٹھ دن تک اسی میں چھپا بیٹھا رہا ۔ نویں دن جب میدان خالی نظر آیا تو اس غار سے نکل کے ادھر کو روانہ ہوا ، جس کے تین مہینے بعد اب آستاں بوسی کی عزت حاصل کر رہا ہوں ۔

**خورشاہ :** بے شک دیدار تم نے بڑا کام کیا اور مستحق ہو کہ تمھیں آج ہی جنت کی سیر کرائی جائے ۔

یہ سنتے ہی دیدار بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا ، مگر خورشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور ساتھ لے جانے کو تھا کہ حسین نے ایک از خود رفتگی کے جوش کے ساتھ کہا : "اے بے رحم بادشاہ ! میں سب سے زیادہ جنت میں جانے کا آرزومند ہوں ۔ اگر یوں نہیں تو میرا امتحان ہو ۔ بتایا جائے کہ میں بھی کسی کو قتل کروں ، مگر آہ ! زمرد کے فراق میں صبر نہیں ہوسکتا ۔

**خورشاہ :** نہ ابھی تمھارا امتحان لیا جا سکتا ہے اور نہ تم کو باغ فردوس میں جانے کا کوئی استحقاق ہے ۔

**حسین :** (جوش و خروش سے) مجھ سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ! میں نے امام نجم الدین نیشاپوری کی زندگی کا چراغ گل کیا ہے ، امام نصر بن احمد کے خون میں ہاتھ رنگ چکا ہوں ، اب اس کے بعد بھی کیا کوئی مجھ سے زیادہ مستحق ہوسکتا ہے؟ میں صرف اپنی بے صبری ہی کی وجہ سے مستحق نہیں بلکہ ایک مینو نشین حور بھی میرے لیے حیران و پریشان ہے ۔

یہ گستاخانہ جملہ سنتے ہی سب لوگ چونک پڑے ۔ بعض حسین پر حملہ کرنے کو جھپٹے ۔ قریب تھا کہ گرد کے قوی ہیکل

فدائی اس کی بوٹیاں اڑا دیں ، مگر خود خورشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو روکا اور نہایت ہی متانت کے ساتھ حسین کی طرف دیکھ کے بولا : ”اس گستاخی اور بدتمیزی کی سزا میں تم سے کہا جاتا ہے کہ فوراً قلعے سے باہر نکل جاؤ ، اور تم ہرگز اس کے مجاز نہیں کہ اس فردوس بریں کی پاک زمین تمھارے قدم سے ناپاک کی جائے ۔ تمھاری سزا قتل تھی ، چند ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے میں تمھارے قتل کو مناسب نہیں خیال کرتا ۔ مگر اب یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اس قلعے میں ایک گھڑی کے لیے بھی ٹھہرنے پاؤ ۔“

حسین کو بھی فوراً اپنی گستاخی کا خیال آیا۔ ایک بے اختیاری کی شان سے وہ زمین پر گر پڑا اور عاجزی کے لہجے میں رو رو کے کہنے لگا : ”یا امام قائم قیامت ! میری خطا معاف ہو ! میں جوش عشق میں بے اختیار و بے خود ہو گیا تھا ۔“ لیکن بالکل شنوائی نہ ہوئی ۔ خورشاہ دیدار کو لیے ہوئے اپنے محل میں چلا گیا ۔ اور اس کے جاتے ہی لوگوں نے حسین کو زبردستی دھکے دے کے قلعے سے نکال دیا ۔ اس نے ہزار منت و سماجت کی مگر ایک پیش نہ گئی ، بلکہ بعض لوگوں نے کہا کہ : ”تم بڑے خوش نصیب تھے کہ صرف خارج البلد کیے جاتے ہو ، ورنہ یہاں گستاخی کی سزا قتل ہے ۔“

**حسین** : پھر اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟

**لوگ** : ہم نہیں جانتے ، تمھیں اختیار ہے ۔

حسین کی مایوسی کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی ۔ صرف یہی نہ تھا کہ وہ زمرد کے وصال سے مایوس ہو گیا ہو بلکہ اپنے آپ کو رحمت باری اور نجات سرمدی سے بھی دور سمجھتا تھا ۔ اس کے عقیدے میں تھا کہ جب میں اس درگاہ سے مردود ہو گیا

تو پھر کہیں ٹھکانا نہ لگے گا ۔ التمونت کے باہر پہاڑوں میں روتا اور چٹانوں سے سر ٹکراتا تھا ۔ دل میں آئی کہ اپنے شیخ شریف علی وجودی کے پاس جا کے ان سے معافی کی درخواست کرے مگر خیال کیا کہ اس بارگاہ امامت سے نکالے جانے کے بعد وہ بھی اپنے وہاں پناہ نہ دیں گے ۔ خیال ہر طرف لے جاتا اور ہر طرف سے مایوسی کے آثار نظر آتے ۔ آخر اسے زمرد کی نصیحت یاد آئی اور اس کے ساتھ ہی کوہ البرز کی اس گھاٹی اور زمرد کی قبر کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی ۔ یکایک آپ ہی کہہ اٹھا : ”تو مجھے وہیں چلنا چاہیے ؛ بس اب میرے لیے وہاں کے سوا اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں ۔“ مگر اس کے ساتھ ہی دل میں خیال گزرا کہ اب تو وہاں بھی مقصد وری کی امید نہیں ۔ جب اس نورستان اور سروشستان سے میرے تعلقات مطلقاً قطع کردیے گئے تو وہ بھی مجھ سے ناخوش ہوگی ۔ اور اگر بالفرض خوش بھی ہو یا وہ قدیم محبت اس کے دل میں باقی بھی ہو تو یہ کیوں کر ممکن ہوگا کہ امام اور مرشد کے حکم کے خلاف وہ مجھے کسی قسم کی مدد دے سکے؟ اب تو اتنی بھی امید نہیں نظر آتی کہ پہلے کی طرح اور اپنے وعدے کے مطابق وہ مجھے کامیابی کا کوئی راستہ بتا سکے ۔“ یہ خیال کر کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا ۔ بار بار دل میں آتی تھی کہ انھیں پہاڑوں سے سر ٹکرا کے خودکشی کر لے مگر اس میں اور زیادہ مایوسی کا یقین تھا ۔ آخر اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ چلو زمرد ہی کی قبر پر چل کے بیٹھوں ۔ اگر مایوسی ہوگی تو بھی یہ کیا کم ہے کہ دل کی الجھن زیادہ بڑھے گی تو اس حور وش کی قبر کو سینے سے لگا لوں گا ۔

یہ فیصلہ کرکے وہ روتا اور سر دھنتا ہوا پہلے قزوین گیا ، پھر قزوین سے نکل کے کوہ البرز کی اسی پرانی گھاٹی میں

پہنچا اور وہیں مقیم ہوگیا ۔ اتنے انقلابات اور اتنی سرگردانی کے بعد اب پھر وہ معشوقۂ دل ربا کی تربت کا مجاور ہے ۔ اسی طرح شب و روز عبادت و فاتحہ خوانی میں مصروف رہتا ہے ۔ قبر کے پاس بیٹھ بیٹھ کے گھنٹوں زمرد کے خیال سے باتیں کرتا ہے اور بار بار رو کے کہتا ہے : ”اے مینو نشین نازنین ! خدا کے لیے اپنی قبر کی طرف توجہ کر اور دیکھ کہ میں کیسا حیران و پریشان ہوں ! آہ تیرے عشق اور تیرے فراق کی بے صبری نے دونوں جہان سے کھویا ۔ نہ ادھر کا ہوا نہ اُدھر کا ۔ نہ اس دنیا ہی کے کام کا رہا اور نہ اس عالم کے کام کا ۔ مگر او معشوقۂ با وفا ! او بارگاہِ لم یزلی کی مقبول نازنین ! میرے حال زار پر توجہ کر ۔ اس درگاہ میں میری شفاعت کر اور اپنی محبت کا صدقہ مجھے اپنے وصل سے مایوس نہ رکھ ۔“

یہی خیالات تھے جن کو وہ قبر کے سامنے ظاہر کرتا اور یہی دعا تھی جو ہر وقت اس کے لب پر رہتی ۔ آخر ایک دن اُس کی امید بر آئی ۔ صبح سویرے آنکھ کھول کے دیکھا تو قبر پر زمرد کا خط رکھا ہوا تھا ۔ ایک ہی نہیں بلکہ دو خط ، جن میں سے ایک تو سادے لفافے میں بند تھا اور دوسرا کھلا ہوا ۔ حسین نے دونوں خطوں کو اٹھا کے چوما ، آنکھوں سے لگایا اور کھلے خط کو پڑھنے لگا ، جس کا مضمون حسب ذیل تھا :

”حسین ! تو نے بڑی غلطی کی ! امام قائم قیامت کی خدمت میں اور گستاخی ! ۔ غنیمت ہے کہ تو بچ گیا ۔ افسوس ! میں اپنے دل کو تیری طرف سے نہیں پھیر سکتی ۔ چند روز کے لیے یہاں آ کے تو مجھے اور بے تاب کر گیا اور اسی بے تابی کا نتیجہ ہے جو میں تجھے یہ خط لکھ رہی ہوں ۔ افسوس! میں وہ کام کرنے

پر آمادہ ہوگئی جو مجھے نہ کرنا چاہیے تھا ۔ مگر مجبوری تھی؛ جو بات ہونے والی تھی کیوں کر رکتی ۔ خیر، اب تو مستعدی سے میری تدبیر پر کاربند ہو ۔ مگر یہ سمجھ لے کہ یہ بہت ہی نازک کام ہے جسے بہت ضبط اور تحمل سے انجام دینا چاہیے۔ اگر تونے ذرا بھی میرے مشورے کے خلاف کیا تو تجھے بھی ضرر پہنچے گا اور مجھے بھی اور پھر ہم کبھی نہ مل سکیں گے ۔ یہ آخری اور سخت تدبیر ہے اور اس کے عمل میں لانے پر میں اس وقت مجبور ہوئی ہوں جب یقین ہوگیا کہ اب تیرے لیے امید و آرزو کے سب دروازے بند ہوگئے۔ یہ دوسرا خط جو تجھے اس خط کے ساتھ ملے گا اور بند ہے، اسے اسی طرح بند رکھ۔ اس کو لے کے مشرق کی طرف روانہ ہو اور سیدھا شہر قراقرم میں جا جو کاشغر کے قریب ہے ۔ وہاں مغلوں کے شاہی خاندان میں ایک ملکہ ہے بلغان خاتون ، کوشش کرکے اس سے تنہائی میں مل اور میرا یہ خط اسے دے دے ۔ تو اس امر کی کوشش نہ کر کہ اس میں کیا ہے اور نہ اس امر کو بلغان خاتون سے پوچھنا ۔ وہ تجھ سے جو سوال کرے بس اس کا صحیح جواب دےدے ۔ اور ملکہ بلغان خاتون جس امر کا ارادہ کرے اس میں اس کی مدد کر۔ اگر وہ تیرے ساتھ آنا چاہے تو اسے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہوں ان سب کو میری قبر پر لا کر کھڑا کردے ۔ بلغان خاتون غالباً تجھ سے اخلاق سے پیش آئے گی ، اور یقین ہے کہ

اپنی قوم کے ایک لشکر کے ساتھ ادھر آنے کا ارادہ
کرے - تو خوشی سے اس کی رہبری کرنا - اور
منتظر رہ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے -

بس تیری دل‌دادہ ـــ زمرد"

حسین نے یہ خط پڑھتے ہی دوسرے خط کو احتیاط سے اپنے سینے میں رکھ لیا اور فوراً قراقرم کی طرف چل کھڑا ہوا - راستے میں بار بار اس کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ مجھے وہاں بھیجنے سے زمرد کی کیا غرض ہے؟ مگر اس خیال کو وہ خود ہی مٹاتا اور کہتا : "ان معاملات کے تجسس سے زمرد نے منع کیا ہے۔" تاہم ایک چیز کی اسے بڑی فکر تھی - وہ یہ کہ زمرد نے ملکہ کے سوالوں کا سچ سچ جواب دینے کی ہدایت کی ہے اور میں ایسے ایسے کام کرچکا ہوں جن کے ظاہر کرنے میں ہر جگہ جان کا اندیشہ ہے - کیا یہ بتا دوں کہ میں نے امام نجم‌الدین نیشا پوری کو بے خطا و بے قصور قتل کیا ، یا امام نصر بن احمد کی نماز پڑھتے میں جان لی ؟ اور سب باتیں درکنار وہاں تو شاید اگر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مجھے فرقۂ باطنیہ سے کوئی تعلق ہے تو واجب‌القتل قرار دے دیا جاؤں گا -

کئی مہینے جو اسے منازل سفر طے کرنے میں صرف ہوئے انھیں خیالات اور اسی قسم کے ترددات میں گزرے - آخر وہ ہرات ہوتا ہوا ترکستان کی حدود میں داخل ہوا اور چند روز بعد خاص شہر قراقرم میں وارد ہوا ، جو تاتاریوں کا مرکز اور پائے تخت تھا - قراقرم میں پہنچ کے بھی اسے کئی مہینے ہوگئے مگر شاہ‌زادی بلغان خاتون تک رسائی نہ ہوئی جس کے حسن و جمال کے قصے سارے شہر میں مشہور تھے اور کہا جاتا تھا کہ اپنے باپ کے مارے جانے کے صدمے سے تمام لذائذ دنیوی

سے علیحدہ ہو گئی ہے ۔ آبادی سے باہر اس کا ایک باغ تھا جس میں ایک وسیع اور دل‌چسپ شکار گاہ بھی بنی ہوئی تھی ، مگر باپ کے غم نے ایسا پژمردہ کر دیا تھا کہ اس نے اب اس باغ میں آنا بھی چھوڑ دیا تھا ۔ ایک دن حسین وسط شہر میں کھڑا تھا کہ ناگہاں غل ہوا : "شاہزادی بلغان خاتون آتی ہے۔" وہ سڑک کے کنارے ٹھہر گیا اور زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کہ ملکہ کئی سہیلیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار آئی اور نکل گئی ۔ حسین شاید جرأت کر کے اور جان پر کھیل کے خط اس کے ہاتھ میں دے دیتا مگر زمرد نے تاکید کی تھی کہ تنہائی میں دینا ۔ مایوسی کی صورت بنائے خاموش کھڑا رہ گیا ۔ اور جب شاہزادی نکل گئی تو دل میں کہنے لگا : "یہ تو مشکل نظر آتا ہے کہ اس ناز آفریں ملکہ کی خلوت گاہ تک میری رسائی ہو ۔"

اور چند روز گزر گئے اور اب سنا گیا کہ شاہ زادی نے مدت کے بعد باغ اور شکار گاہ میں جانے کا ارادہ کیا ہے ۔ حسین کو امید پیدا ہوئی کہ غالباً وہاں موقع مل جائے گا ۔ اسی خیال سے وہ پہلے ہی سے جا کے شکار گاہ میں چھپ رہا ۔ وہاں بھی ملکہ بلغان خاتون آئی اور چلی بھی گئی مگر حسین کو موقع نہ ملنا تھا نہ ملا ۔ کئی دفعہ وہ ملکہ سے دوچار ہوا مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی سہیلی ضرور موجود تھی ۔

اب حسین کو زیادہ مایوسی ہوئی ۔ آخری تدبیر یہ تھی کہ نوکری کا امیدوار بن کے ملکہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا اور ملازمت کی درخواست کی ۔ اتنے دنوں قراقرم میں رہ کے اس نے چند ایسے دوست بھی پیدا کر لیے تھے جنھوں نے اس کی سفارش کی اور اسے بہ‌دشواری ملکہ کے داروغۂ اصطبل ہونے کی عزت حاصل

ہوگئی ۔ اس نوکری کے بعد بھی دو مہینے تک اُسے تنہائی میں ملنے کا موقع نہ ملا ۔ آخر ایک مرتبہ صبح سویرے جب کہ ملکہ اپنے بستر ناز سے اُٹھ کے غسل خانے کو جا رہی تھی اور بالکل اکیلی تھی ، وہ سامنے گیا اور جھک کے سلام کیا ۔ بلغان خاتون حسین کو غیر معمولی طور پر سد راہ دیکھ کے ٹھہر گئی اور پوچھا : "کیوں ؟"

حسین : (سامنے زمین چوم کے) سب خیریت ہے مگر شاہزادی کی خدمت میں ایک خط پہنچانا ہے جس کو لیے ہوئے چھ مہینے سے قراقرم میں پھر رہا ہوں اور صرف اس وجہ سے کہ بغیر تنہائی کے مجھے اس خط کے پیش کرنے کی اجازت نہ تھی ، اتنی تاخیر ہوئی ۔ اسی غرض کے لیے مجبوراً میں نے شاہزادی کی ملازمت اختیار کی ۔ بڑی بڑی نامرادیوں کے بعد خوش‌نصیبی سے آج اس خط کے پیش کرنے کا موقع ملا ہے ۔

یہ کہہ کے اُس نے زمرد کا خط نکال کے شہزادی کی طرف بڑھایا ۔

شاہ زادی بلغان خاتون تاتاری عورتوں میں نہیں ، تاتاری رؤسا کے بھی خلاف ایک نہایت ہی شائستہ اور تعلیم یافتہ ملکہ تھی ۔ وہ فارسی زبان میں بے تکلف گفتگو کرتی تھی ۔ اسی قدر نہیں بلکہ شعرائے فارس کے کلام کی اچھی طرح داد دے سکتی اور مشکل سے مشکل اور بلیغ سے بلیغ فارسی کو بوجہ احسن سمجھ لیتی تھی ۔ خط کو ہاتھ میں لیتے ہی اس نے غور سے دیکھا اور لفافے کو سادہ پا کے تعجب سے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا : "اور یہ خط بھیجا کس نے ہے ؟"

حسین : شاہزادی کو پڑھنے کے بعد خود ہی معلوم ہوجائے گا ،

مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ خط کسی انسان
کا نہیں بلکہ ایک حور کی طرف سے ہے جس کا نشیمن
اس سروشستان اعلیٰ اور حیز نور میں ہے۔

بلغان خاتون نے یہ جواب سن کے اور حیرت زدہ ہو کے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا: "اگر فردوس بریں کی کسی حور کا خط ہے تو تم کو کیوں کر ملا اور تم سے اس سے کیا تعلق؟"

**حسین:** بس اتنا ہی تعلق ہے کہ اس کی یاد میں سر دھنتا ہوں، اور کبھی کبھی وہ کوئی خط کسی روحانی ذریعے سے میرے پاس پہنچا دیتی ہے۔

تاتاری شاہ زادی یہ جواب سن کے اور متحیر ہوئی۔ دیر تک حسین کو غور سے دیکھتی رہی اور پھر دل میں کچھ سوچ کے بولی: "اچھا، اب اس وقت تم جاؤ؛ اس خط کو اطمینان سے پڑھ کر میں تم کو پھر بلاؤں گی اور جو کچھ پوچھنا ہوگا پوچھ لوں گی۔"

**حسین:** (سینے پر ادب سے ہاتھ رکھ کے) بہتر، مگر اتنا خیال رہے کہ اس بارے میں جو کچھ دریافت فرمانا ہو، شاہ‌زادی اسی طرح تنہائی میں بلا کے دریافت فرمائیں۔ میں اپنے راز کسی اور کے سامنے صحیح طور پر نہیں عرض کر سکتا۔

**بلغان خاتون:** میں اکیلی ہی ملوں گی۔

یہ خط اور حسین کا بیان ایسی غیر معمولی چیزیں تھیں کہ شاہ‌زادی بلغان خاتون نہانا بھی بھول گئی۔ حسین کے واپس جاتے ہی پھر اپنی خواب گاہ کی طرف پلٹ گئی۔ تنہا بیٹھ کے خط کو کھولا اور نہایت ہی توجہ و مستعدی سے پڑھنے لگی۔

مضمون حسب ذیل تھا :

"او غم زدہ اور نیک دل شاہ زادی ! تو اپنے باپ کے غم میں مبتلا ہے جو باطنین کے فدائی دیدار کے ہاتھ سے نہایت دغا بازی کے ساتھ قتل ہوا۔ مجھے تیرے رنج و الم سے ہمدردی ہے اور اسی لیے اپنے منصب کے خلاف تجھے خبر دیتی ہوں کہ دیدار یہاں التمونت میں بیٹھا جنت کے مزے لوٹ رہا ہے۔ اگر اپنے باپ کا انتقام چاہتی ہے، اگر اس جنت کا لطف دیکھنا چاہتی ہے، اگر دنیا کے پردے سے ایک بہت بڑا فتنہ دور کرنا چاہتی ہے تو اسی حسین کے ساتھ جو میرا خط لایا ہے، اور جو جنت کی زیارت کے شوق میں عقل و ہوش بلکہ دین و ایمان تک کھو چکا ہے، کوہ البرز کی وادی میں میری تربت پر آ؛ قبر کے پتھروں کو الٹ، اُس کے نیچے تو میرا دوسرا خط پائے گی جو تیری رہبری کرے گا اور تو اپنے باپ کے انتقام کے ساتھ ایک بہت بڑے طلسم کو توڑ کے دنیا کا سب سے بڑا راز کھولے گی۔ اُس وقت تجھے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا اور ملاء اعلٰی میں کتنا فرق ہے۔ حسین سے تو اس کے حالات پوچھ سکتی ہے جس سے تجھے معلوم ہوگا کہ اس کے دل پر اس فردوس بریں کا کتنا اثر ہے جہاں میں ہوں۔ یہی جنت میں تجھے بے منت دکھاؤں گی۔ اور تیرا مجرم تیرے ہاتھ میں ہو گا۔ لہٰذا آ اور جلدی آ، مگر خیال رہے کہ ۲۷ رمضان کی صبح

کو تو میری تربت پر موجود ہو - اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ کافی تعداد میں ایک تاتاری لشکر تیرے قریب ہی موجود رہے - لیکن میری قبر پر تجھے اپنے ساتھ میں چار آدمیوں سے زیادہ گروہ کو نہ لانا چاہیے -

مینونشین - زمرد"

بلغان خاتون کے حق میں یہ خط کسی جادو یا تسخیر کے تعویذ سے کم اثر نہ رکھتا تھا جس کو پڑھتے پڑھتے کبھی وہ انتہا سے زیادہ غضب ناک ہو جاتی اور کبھی کسی خاص مگر حیرت و خیال سے اس کے دل کو گونہ تسکین ہو جاتی استعجاب کی کوئی انتہا نہ تھی - اس نے خط کو اول سے آخر تک کئی مرتبہ پڑھا اور کچھ سوچنے لگی ، پھر پڑھا اور پھر غوطے میں آ گئی ؛ پھر پڑھا ، پھر متفکر چہرہ بنایا اور نازک گلابی رخساروں کو ہاتھ پر رکھ کے سوچنے لگی - آخر دیر کے تردد و انتشار کے بعد اُس نے حسین کو اپنے سامنے بلوایا اور پوچھنے لگی : "تم جانتے ہو اس خط میں کیا لکھا ہے ؟"

**حسین :** نہیں ، مجھے ایک لفظ کی بھی خبر نہیں -

یہ جواب پا کے بلغان خاتون نے متجسس نگاہ سے حسین کو گھور کے دیکھا اور پوچھا : "تم مذہب باطنیہ کے پابند ہو؟"

**حسین :** (ڈر کے) جی ہاں -

**بلغان خاتون :** تم نے جنت کی بھی سیر کی ہے؟

**حسین :** ایک بار دیکھا ہے اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے -

**بلغان خاتون :** اچھا تمھاری یہ ہوس پوری ہو جائے گی ، مگر یہ تو بتاؤ کہ کیا تمھارا شمار بھی فدائیوں میں ہے ؟

**حسین :** البتہ !

یہ جواب سن کے بلغان خاتون نے حسین کو پھر گھور کے دیکھا اور پوچھا: "تو تم نے کتنے لوگوں کی جان لی ہے؟"

**حسین :** صرف دو شخصوں کی - مگر بہت بڑے بڑے شخص، جن کے قتل کرنے کا مجھے بھی افسوس ہے -

**بلغان خاتون :** ان پر خنجر چلاتے وقت تمھیں ترس نہ آیا ؟

**حسین :** آیا تھا ، مگر مرشد کے حکم سے میں انحراف نہ کر سکتا تھا -

**بلغان خاتون :** (تعجب سے) مرشد کے حکم سے اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کرلینے میں کیا تمھیں اپنے نیک و بد کا بھی خیال نہیں آتا ؟

**حسین :** نیک و بد ہمیں نظر ہی کب آسکتا ہے ؟ ہم ہر چیز کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور شیخ کی نگاہیں باطن پر، یا یوں کہنا چاہیے کہ اصلی حقیقت پر پڑتی ہیں -

**بلغان خاتون :** اگر مرشد کنویں میں گرنے کو کہے تو تم گر پڑو گے ؟

**حسین :** بلا تامل ! یہی ہمارا پہلا عقیدہ اور پہلی ریاضت ہے - مرشد جس خوبی کو دیکھ کے حکم دیتا ہے اس کے سامنے اس برائی یا مضرت کی کوئی ہستی ہی نہیں جو ہمیں نظر آتی ہے -

**بلغان خاتون :** زمرد سے تم سے کیوں کر مفارقت ہوئی ؟

**حسین :** میں منع کرتا رہا ، اس نے نہ مانا اور کوہ البرز کی اس گھاٹی میں چلی گئی جہاں کبھی کبھی پریوں کا گزر ہوتا ہے - ہمارے جاتے ہی پریاں بھی آ پہنچیں - انھوں نے آتے ہی اسے مار ڈالا - اس کی وہاں قبر بنا دی جس پر میں مدتوں آہ و زاری کرتا رہا -

شہادت نے زمرد کو فردوس بریں میں پہنچا دیا اور میں قبر پر پڑا موت کا منتظر تھا کہ زمرد نے فردوس بریں سے ایک خط بھیج کے مجھے فرقۂ ناجیہ باطنیہ میں داخل ہونے کی ہدایت کی اور اپنے پاس پہنچنے کا طریقہ بتایا۔ اس کی ہدایتوں کے مطابق عمل کرکے میں ایک بار اس کے دیدار سے شرف یاب ہوچکا ہوں، مگر افسوس! پھر ملنے کی امید نہیں۔ اب دوبارہ یہ کوشش اسی کی زیارت کے لیے آپ کے ذریعے سے شروع ہوئی ہے، مگر چوں کہ مجھے کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں لہٰذا آپ کے سامنے میں اپنی کوئی آرزو بھی نہیں پیش کر سکتا۔

بلغان خاتون کو حسین کی اس سادہ مزاجی پر حیرت سی ہوئی؛ وہ کسی قدر مسکرائی اور کہا: "بے شک تم اپنی آرزو میں بامراد ہوگے اور تمھاری تمنا بر آئے گی، لیکن مجھے بھی اسی مقام تک پہنچا دو جہاں زمرد کی قبر ہے اور جس جگہ تم کہتے ہو پریوں کا نشیمن ہے۔"

**حسین :** اس امر کا تو مجھے وہیں سے حکم ہوچکا ہے؛ شاہزادی جب تشریف لے چلیں، یہ غلام ہم راہ رکاب ہوگا۔

**بلغان خاتون :** حسین! اگر میں کسی شخص کے قتل کرنے کو کہوں تو تم اسے قتل کر ڈالو گے؟

**حسین :** بے شک! بشرطیکہ اس کے قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہو۔

**بلغان خاتون :** یہ قید تم مرشد سے بھی لگاتے ہو؟

**حسین :** نہیں، مرشد کے تعلقات مرید کے ساتھ اور قسم کے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں مرید کو ایک بے جان آلے کی طرح

رہنا چاہیے -

**بلغان خاتون :** خیر تو اب میں سفر کا سامان کرتی ہوں ، تم بھی تیار ہو جاؤ -

**حسین :** میں ہر وقت تیار ہوں -

یہ کہہ کے شاہزادی نے حسین کو رخصت کیا اور خود حمام میں گئی - مگر اس کی حیرت کسی طرح کم ہونے کو نہ آتی تھی - لوگ اس کے مزاج میں کوئی غیر معمولی تغیر پاتے تھے جس کے متعلق ہر شخص سوال کرتا مگر وہ خاموش تھی اور حیرت زدہ - دوسرے دن علی‌الصباح اس نے ایک سانڈنی سوار کو اپنا ایک خط دے کے کسی طرف روانہ کیا اور خود بھی روانگی کا سامان کرنے لگی - مگر اس کے لیے ضرور تھا کہ اپنے ابن‌عم اور شہنشاہ ترکستان منقو خاں سے اجازت حاصل کرے ، جس کے لیے وہ ایک تردد میں تھی -

ساتواں باب

# بلغان خاتون کا سفر

جس روز حسین نے اپنی مینونشین معشوقہ زمرد کا خط بلغان خاتون کو پہنچایا ہے، اس کے ایک ہفتے کے بعد صبح کے وقت وہ تاتاری شہزادی اپنے بھائی منقو خاں کے پاس گئی۔ منقو خاں کے دربار میں اس وقت خاندانِ تاتاری کے کئی معزز رؤسا موجود تھے، جن کے سامنے کچھ کہتے ہوئے وہ جھجکی اور دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ اس کو چپ دیکھ کے منقوخاں نے کہا: "بہن! یہ غیرمعمولی سکوت کیسا؟"

**ایک درباری:** شاہزادی اپنے والد کے غم کو ابھی تک نہیں بھولیں۔

**منقو خاں:** ہاں بلغان! اب تو اس غم کو چھوڑ دو۔ اتنے دنوں تک غم و الم میں مبتلا رہنا ہماری قومی شجاعت کے خلاف ہے۔

**بلغان خاتون:** آہ! بھائی! یہ غم بھول سکتا ہے؟ (تھوڑے سکوت کے بعد) خیر، اب یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی، اس وقت میں ایک ضروری کام کو آئی ہوں۔

**منقو خاں:** وہ کیا؟

**بلغان خاتون:** بھائی! آپ نے تو بہت سی مہمیں سر کیں، مگر

اب ارادہ ہے کہ ایک مہم کو میں خاص اپنے ہاتھ
سے انجام دوں ۔

اس جملے کے سنتے ہی سب لوگ حیرت میں آ گئے اور منقو خاں نے اسے گھور کے دیکھا اور پوچھا : "بہن خیر! تو ہے؟ کیسی مہم؟ کیا میرے اسلحے نے جواب دے دیا؟ فقط تمھارے کہہ دینے کی ضرورت ہے؛ جس ملک یا جس قوم کو کہو، تم تو تم ہو، میرے جانے کی بھی ضرورت نہیں، ہمارے بہادر سپاہی جائیں گے اور ایک آن میں تہ و بالا کر دیں گے ۔"

**بلغان خاتون :** یہ صحیح ہے، مگر میں چاہتی ہوں کہ اس کام
کو خاص اپنے ہاتھ سے انجام دوں ۔

**منقو خاں :** آخر کون سا کام ہے؟ اور کس ملک پر فوج کشی
کا ارادہ ہے؟

اس کے جواب میں بلغان خاتون نے زمرد کا خط اس کے سامنے رکھ دیا اور کہا : "پہلے اسے پڑھ لیجیے، پھر پوچھیے گا۔"

منقو خاں نے خط کو اول سے آخر تک پڑھا، لیکن ختم کرنے سے پہلے ہی اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے ۔ اس نے غضب آلود چشم و ابرو اور خم شدہ ہونٹوں سے خط کو تمام کر کے غصے سے پھینک دیا اور کہا : "بہتر بہن! تم مطمئن رہو؛ میں کل ہی ہلاکو خاں کو لکھتا ہوں ۔"

**بلغان خاتون :** نہیں، یہ میرا کام ہے اور میرے ہی ہاتھ سے
پورا ہوگا ۔

**منقو خاں :** تم جا کے کیا کروگی؟ جنگ و پیکار تمھارا کام نہیں ۔

**بلغان خاتون :** اسی خیال کو دنیا سے مٹا کے میں ثابت کرنا
چاہتی ہوں کہ عورتیں بھی ویسی ہی بہادر ہیں جیسے
مرد ۔ اگر موقع دیا جائے تو وہ کسی امر میں مردوں

سے کم نہ رہیں گی - اور ابھی تو یہ بھی نہیں معلوم
کہ وہاں لڑائی کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں -

**منقو خاں :** بے شک ہوگی ؛ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں - باقی رہی عورتوں کی شجاعت ، میں تسلیم کرتا ہوں کہ عورتوں کی حکومت مردوں سے بڑھی ہوئی ہے - بڑے بڑے تاج‌دار اور بڑے صف‌شکن جو عالم کے تخت آلٹ دیتے اور ساری دنیا کے بہادروں کے دست و بازو کو تھکا دیتے ہیں، ان پر بھی جو حکومت کرتا ہے وہ عورت ہے- مگر عورت کے اسلحہ دوسرے ہیں - وہ تیر اور خدنگ ، شمشیر و خنجر سے نہیں لڑتی ، بلکہ اپنے حریفوں پر تیرِ نظر ، خدنگ ناز ، شمشیر ابرو اور خنجر مژگاں سے فتح یاب ہوتی ہے - لیکن عورت کے یہ اسلحہ اس میدان میں کارگر نہیں ہو سکتے جس میدان میں تم جانا چاہتی ہو - ایسے میدانوں کی فتح مردوں ہی کے اسلحے کے نام پر ہے -

بلغان خاتون نے اس جواب پر شرمندہ ہو کے سر جھکا لیا ، مگر نیچی ہی نظروں میں اس نے پھر متانت پیدا کی اور کہا : ”بھائی ! ایسا نہ سمجھیے - میں اسی طرح بہادری اور جاں بازی سے مقابلہ کروں گی جس طرح کسی بہادر تاتاری لڑکی کو لڑنا چاہیے -“

**منقو خاں :** یہ میں جانتا ہوں ، مگر جس وقت تک ہم لوگ زندہ موجود ہیں تم سی نازنین کو میدان جنگ میں قدم رکھنے کی زحمت نہیں دی جا سکتی - اور آخر تمھارے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟

**بلغان خاتون :** صرف یہ میرا کام ہے اور اپنے فرض سے میں

آپ ہی سبک دوش ہونا چاہتی ہوں ۔

**منقو خاں :** خیر ایسا ہی شوق ہے تو چلو، مگر میں بھی ساتھ چلوں گا ۔ یہ مجھے نہیں گوارا ہوسکتا کہ خاندان مغلیہ کی ایک معزز شاہزادی اپنے نامور عزیزوں کے ہوتے تن تنہا میدان کارزار میں قدم رکھے ۔

**بلغان خاتون :** مگر بھائی، وہاں کسی بڑی لڑائی کی امید ہی نہیں ؛ ہمارے چند سپاہی بھی ہوں گے تو کامیاب ہو جائیں گے ۔

**منقو خاں :** یہ نہ سمجھو ۔ جو لوگ سردار کے ادنلی اشارے پر جان دینے کو تیار ہو جائیں اُن سے ڈرنا چاہیے ۔

**بلغان خاتون :** مگر تاتاریوں کا رعب آج کل دلوں پر اس قدر بیٹھا ہوا ہے کہ میں تو یہ سمجھتی ہوں وہ لوگ بے لڑے بھڑے ہتھیار رکھ دیں گے ۔

**منقو خاں :** بے شک ہمارا ایسا ہی رعب ہے، مگر پھر بھی ایک قدیم اور ڈیڑھ سو برس کے شاہی و مذہبی خاندان کو جڑ سے اکھاڑ کے پھینک دینا آسان نہیں ۔

منقوخاں آخر تک اصرار کرتا رہا مگر شہزادی بلغان خاتون نے اس کی شرکت کسی طرح گوارا نہ کی ۔ اور جب دیکھا کہ تاج‌دار بھائی منظور نہیں کرتا تو جھک کے اُس کے کان میں کچھ کہا جسے سن کے وہ تھوڑی دیر تک غور کرتا رہا، اور آخر بڑی دیر کی حجت و تکرار کے بعد قرار پایا کہ اُولوالعزم و بہادر تاتاری شاہزادی پانچ سو سوار ساتھ لے کے روانہ ہوجائے ۔ بلغان خاتون واپسی کے لیے اُٹھتے اُٹھتے ٹھہرگئی اور خط کو دوبارہ بھائی کے سامنے پیش کرکے بولی: "مگر ذرا دیکھ کے یہ بھی بتلا دیجیے کہ مجھے کب یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے؟ زمرد نے کس تاریخ کو بلایا ہے؟"

**منقو خاں :** (خط کو پڑھ کے) رمضان کی ۲۷ تاریخ ۔
**بلغان خاتون :** خدا جانے اس تاریخ کے معین کرنے سے کیا غرض ہے ، تو پھر مجھے کوچ کر دینا چاہیے ؟
**منقو خاں :** اس میں کوئی بات ضرور ہے اور میری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ اس گھاٹی میں پہنچنے کے بعد تمھیں کیا پیش آئے گا ۔ ممکن ہے کہ اس عورت نے جو اپنے کو حور بتاتی ہے فریب کیا ہو ۔
**بلغان خاتون :** اس کی تحریر اور اس کی اس بے تکلفانہ دعوت سے مجھے فریب کی امید نہیں ۔ باوجود اس کے محض اسی خیال سے میں نے تھوڑے سے سپاہی ساتھ لے جانے کا ارادہ کر لیا ۔ اور آپ تو جانتے ہیں کہ اپنی حفاظت کا میں نے پورا بندوبست کر لیا ہے ۔ ہاں تو زمرد نے رمضان کی ۲۷ کو بلایا ہے اور آج کون تاریخ ہے ؟
**منقو خاں :** جمادی الاول کی ۲۰ ۔ قریب قریب چار مہینے باقی ہیں ۔ راستہ بھی تین مہینے سے کم کا نہیں ۔ اگر جلدی پہنچ گئیں تو راستے میں کسی جگہ ٹھہر جانا ۔ مگر جانا ہے تو کل ہی کوچ کر دینا چاہیے ۔

اس کے بعد منقو خاں کچھ آپ ہی سوچ کے بولا :"ہاں ، خوب یاد آیا ، بلغان خاتون ! ایک دو دن اور ٹھہر جاؤ۔ آج کے چوتھے دن ہلاکو خاں کی کمک کو چالیس ہزار سپاہیوں کا بڑا بھاری لشکر جانے والا ہے جس کو طولی خاں لے جائے گا ؛ اسی کے ساتھ تم بھی ہو لینا ۔ یہ لوگ بھی اسی طرف جائیں گے جدھر تم جاتی ہو ، بلکہ انھیں تم سے آگے جانا ہے ۔ ہلاکو خان دیلم میں ہے اور سلطان دیلم کی

تخت گاہ پر قبضہ کر چکا ہے - فی الحال اُس کا تعاقب کر رہا ہے - اس فوج کے پہنچنے کے بعد وہ ارض عراق کا عزم کرے گا اور ارادہ ہے کہ خلیفۂ بغداد کو بھی اس کی سرتابیوں اور غرور کی سزا دی جائے -

**بلغان خاتون** : ایک دو دن کی بات ہے ، میں ٹھہر جاؤں گی -

ان تمام امور کا تصفیہ کر کے بلغان خاتون اپنے مکان کو واپس آئی اور حسین کو بلا کے کہہ دیا : "پرسوں کوچ ہے ، تیار ہو رہو -" حسین نے سینے پر ہاتھ رکھ کے اور ادب سے سر جھکا کے جواب دیا : "مجھے تو جس وقت حکم ہو حاضر ہوں -"

دوسری طرف منقو خاں کا بیٹا طولی خاں بھی کوچ کا سامان کرنے لگا اور اس کے ساتھ کے لیے چالیس ہزار جوانوں کو تیاری کا حکم دے دیا گیا - آخری رات سپاہیوں نے عجیب ذوق و شوق اور بڑی دھوم دھام میں بسر کی - قراقرم کے در و دیوار سے جوش و خروش نمایاں تھا - ہرطرف ایک چہل پہل تھی - لوگ ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے - جو اپنے گھروں اور خیموں میں تھے وہ خوشی خوشی اسلحہ بھی درست کرتے جاتے تھے اور عزیزوں یا بیوی بچوں سے بھی رخصت ہوتے جاتے تھے - صبح سویرے ہی کوچ کا طبل بجا اور تاتاریوں کے غول اپنے اپنے نشانوں اور بیرقوں کے نیچے جوش مسرت میں کودتے ، اپنے قومی گیتوں کو گاتے اور شور کرتے ہوئے بڑھے -

یہ فوج مختلف حصوں میں تقسیم ہو کے روانہ ہوئی - قراول کے پانچ ہزار جوان آگے بڑھ گئے - پھر جرانغار و برانغار کی پانچ پانچ ہزار کی ٹکڑیاں داہنے بائیں پھیل گئیں - پانچ ہی ہزار کا ایک گروہ پیچھے قول میں رہا اور درمیان یا قلب میں پورے بیس ہزار ترک جدا جدا فوجوں اور پرچموں میں بٹے ہوئے

آگے پیچھے روانہ ہوئے ، جن کے بیچ میں طولی خاں اور بلغان خاتون دو مضبوط اور گٹھے ہوئے ترکی گھوڑوں پر سوار تھے - تاتاری کمانیں اور نیزے چاروں طرف سے حلقہ کیے ہوئے تھے - اور ہر چہار طرف سے جوش و ولولے کی صدائیں اور فتح و نصرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے -

تاتاریوں کا یہ طوفان ایک ٹڈی دل کی طرح راستے کی تمام چیزوں کو خراب و تباہ کرتا چلا جاتا تھا - جو گاؤں نظر آتا آدمیوں سے خالی ملتا ، اس لیے کہ ان بے رحم و جری لٹیروں کی آمد کی خبر سنتے ہی لوگ اپنے گھر چھوڑ چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوتے ، جن کے ویران و غیرآباد مکانوں میں آگ لگا دی جاتی - یہ لوگ جوں جوں آگے بڑھتے شہر اور گاؤں مسمار و منہدم اور جل جل کے خاک سیاہ ہوتے جاتے - رعایا میں سے مرد ، عورت ، بوڑھا ، بچہ جو شخص ملتا ان انسان کا شکار کھیلنے والے وحشیوں کے ہاتھ سے قتل ہوتا - الغرض یہ لوگ تمام علاقہ غزنی و خراسان کو تباہ کرتے ہوئے بحر خزر کے کنارے کنارے چلے اور مازندران پہنچے - پھر وہاں کے گاؤں کو تاخت و تاراج کر کے آذربائیجان کی طرف نکل گئے اس لیے کہ ہلاکو خاں کے اسی طرف ہونے کی خبر تھی ، کیوں کہ وہ سلطان دیلم کے تعاقب میں شمال کی طرف زیادہ بڑھ گیا تھا -

مگر بلغان خاتون اپنے ساتھ کے پانچ سو سواروں کے ساتھ جبال طالقان کے دامن میں نہر ویرنجان کے قریب خیمہ زن ہو گئی - عین اس مقام پر جہاں اس ناول کی ابتدا میں ہم نے زمرد و حسین کو پایا تھا -

جس وقت یہ پانچ سو تاتاری اس سرزمین پر پہنچے ہیں رمضان کی ۱۸ تاریخ تھی - مجبوراً چند روز اسی جگہ فروکش

رہنا پڑا ، جس سے زیادہ کوئی مصیبت تاتاری لشکر کے لیے نہ ہو سکتی تھی - ان لوگوں کا معمول تھا کہ جب تک لوٹتے مارتے رہتے اسی وقت تک اچھے اور خوش حال رہتے اور جہاں کسی جگہ قیام ہو گیا ، محض اس وجہ سے کہ نئے شہر اور قصبے لوٹنے کو نہ ملتے ، فاقے کرنے لگتے - لیکن یہاں کیا کرتے ؟ مجبوری تھی - سب نے انتظار کے دن فقر و فاقے سے بسر کیے - نویں دن ٹھیک ۲۷ تاریخ کو بلغان خاتون صبح ہی سے کسی کے انتظار میں تھی اور جوں جوں دیر ہوتی اس کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی - آخر جب اس نے دیکھا کہ وقت نکلا چلا جاتا ہے تو بڑے پس و پیش کے بعد تین زبردست فوجی جوانوں کو ساتھ لے کے چل کھڑی ہوئی اور حسین اس کا رہبر ہوا - باقی ماندہ تمام ہمراہی وہیں چھوڑ دیے گئے - حسین اور تاتاری شاہزادی سڑک چھوڑ کے نہر ویرنجان کے کنارے کنارے چلے اور بہ دقت و دشواری گھاٹیوں اور جنگلوں سے گزر کے اس مرغزار میں جا پہنچے - حسین نے زمرد کی قبر بتا کے فاتحہ خوانی کی اور کہا : "یہی پتھر ہیں جن کے نیچے میری زمرد کا پیکر عنصری آرام کر رہا ہے -"

بلغان خاتون نے زمرد کا خط نکال کے پھر پڑھا اور زمرد کی ہدایت کے مطابق قبر کے پتھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے ہٹانے لگی - چار ہی پانچ پتھر ہٹے ہوں گے کہ حسب وعدہ زمرد کا دوسرا خط مل گیا جسے کھول کے اس نے چپکے چپکے پڑھا اور ذرا متردد ہو کے سامنے کی طرف نظر بڑھا بڑھا کے دیکھنے لگی -

چند لمحوں کے بعد کچھ سوچا اور اپنے ایک ہمراہی کے کان میں کچھ کہنے کو جھکی - تاتاری سپاہی شاہزادی کا راز سنتے ہی واپس روانہ ہوا اور وہ خود حسین کی طرف دیکھ کے

**بولی :** ”چلو!“
**حسین :** کہاں ؟
**بلغان خاتون :** جہاں میں چلوں ۔

اتنا کہتے ہی دونوں باقی‌ماندہ سپاہیوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور چل کھڑی ہوئی ۔ حسین کو بھلا کیا مجال انکار تھی ، بے عذر ساتھ ہولیا ۔

بلغان خاتون اس وادی کے شمالی کونے کی طرف چلی ۔ اسی طرف جدھر سے حسین نے کبھی پریوں کو آتے دیکھا تھا ۔ جاتے جاتے تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ ایک سرسبز پہاڑ کے دامن میں پہنچی ، اور گو اس طرف کوئی راستہ نہیں نظر آتا تھا مگر وہ برابر بڑھتی چلی جاتی تھی ۔ حسین تو ایک عقیدت کیش مرید کی شان سے بے عذر اطاعت کر رہا تھا ، مگر ہمراہی سپاہیوں کو حیرت تھی کہ شاہ زادی انھیں کہاں لیے جاتی ہے ۔ بلکہ ایک نے بڑھ کے ادب سے پوچھا بھی کہ : ”ادھر تو راستہ نہیں ہے؟“ جس کے جواب میں بلغان خاتون نے کہا : ”کچھ بولو چالو نہیں ، خاموش چلے آؤ ۔“

پہاڑ کی جڑ میں پہنچ کے وہ ایک تیرۂ و تار غار میں گھسی اور ساتھیوں سے کہا: ”اس طرح چلو کہ کسی کو آہٹ نہ معلوم ہو ۔“ شاہزادی کے حکم کے مطابق سب لوگوں سے جہاں تک ممکن تھا آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے چلے ۔ غار کے اندر بالکل اندھیرا تھا اور سب ہاتھوں سے ٹٹولتے اور دونوں طرف کی کگروں سے بچتے چلے جاتے تھے ۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد دور پر کچھ روشنی نظر آئی جس کی نسبت معلوم ہوا کہ غار کے اس طرف کا دہانہ ہے ۔ آخر بلغان خاتون اس غار سے باہر نکلی مگر جب غار سے نکل کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام بھی کچھ کم

وحشت ناک نہیں ، اس لیے کہ یہاں بہت ہی گھنا جنگل تھا ، جس کے درخت اس طرح ملے اور جڑے تھے کہ آفتاب کی روشنی بہ مشکل زمین تک پہنچ سکتی تھی ۔

شاہزادی اس جنگل میں پہنچتے ہی بائیں ہاتھ کی طرف مڑ گئی ۔ اب اُس کا رخ مغرب کی طرف تھا اور درختوں میں پھنستی اور کانٹوں میں الجھتی برابر آگے چلی جاتی تھی ۔ ساتھ والے اس دشوار گزار راستے کو دیکھ کے گھبرا گئے تھے اور دل میں حیران تھے ۔ آخر یہ جنگل یکایک ایک پہاڑ کے پاس ختم ہو گیا جہاں پہنچ کے شاہزادی پھر داہنے ہاتھ کی طرف مڑی اور پہاڑ کے دامن ہی دامن میں دور تک چلی گئی ۔ ایک مقام پر پہنچ کے اسے نظر آیا کہ جیسے کسی ناگہانی صدمے کے باعث پہاڑ پھٹ گیا ہے اور درمیان میں ایک بہت ہی پتلی اور لمبی گلی پیدا ہو گئی ہے ، جس سے ایک سے زیادہ آدمیوں کا گزر نہیں ہو سکتا ۔

بلغان خاتون نے اس گلی کو غور سے دیکھا ، چاروں طرف نظر دوڑائی اور جیسے دل ہی دل میں کچھ مطمئن ہو کے اس گلی کے اندر گھسی ، مگر اندر جانے سے پہلے اس نے ایک اور ہمراہی سپاہی کے کان کی طرف جھک کے کچھ کہا جس کے ساتھ ہی وہ واپس چلا گیا ۔ اب شاہزادی حسین اور باقی ماندہ ایک جوان کو ساتھ لے کے گلی میں داخل ہوئی ۔ گلی کے اندر ایک مقام پر ایک گٹھڑی ملی جسے شاہزادی نے کھول کے دیکھا تو کپڑوں کا ایک زنانہ جوڑا تھا اور دو مردانے جوڑے جو بالکل دہقانیوں اور گائے بھینسیں پالنے والوں کی وضع کے تھے۔ شاہزادی نے دونوں جوڑے حسین اور اپنے دوسرے ساتھی کو دے کے کہا : "اپنے کپڑے اتار کے یہاں رکھ دو اور یہ

کپڑے پہن لو۔" یہ کہہ کے وہ خود بھی وہی زنانہ جوڑا پہننے لگی۔ جب سب کپڑے پہن کے تیار ہوچکے تو اگرچہ یہاں اندھیرا تھا، حسین شہزادی کی وضع و لباس کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

**بلغان خاتون:** کیوں حسین! تعجب کس بات کا؟

**حسین:** کیا عرض کروں، یہ لباس پہن کے تو آپ دنیاوی شاہ زادی نہیں، آسمانی حور معلوم ہوتی ہیں۔

بلغان خاتون یہ سن کے مسکرائی اور بولی: "بس چپکے چلے آؤ!" اور آگے کو روانہ ہوئی۔ یکایک معلوم ہوا کہ ایک آڑی چٹان نے راستہ بند کر دیا ہے۔ بلغان خاتون نے جب مڑ کے دیکھا تو نیچے ایک چھوٹا سوراخ نظر آیا جس میں سے ایک آدمی بمشکل سمٹ سمٹا کے نکل سکتا تھا۔ اسی سوراخ سے وہ نکلی اور ہمراہیوں کو بھی نکلنے کا حکم دیا۔ اس دشواری کو جھیل کے شاہزادی آگے بڑھی، لیکن اب بظاہر ایک سب سے بڑی مشکل نظر آئی۔ وہ یہ کہ ایک زبردست فولادی دروازہ تھا جو دوسری طرف سے بند تھا۔ مگر بلغان خاتون نے دروازے کے داہنے بازو کے برابر ایک سے پتھر نکالا جس کے ہٹتے ہی روشن دان سا ہوگیا اس روشندان میں ہاتھ ڈال کے اس نے دروازے کی کنڈی کھول لی جو اندر سے بند تھی۔ اس کے بعد تاتاری سپاہی اور حسین کی زورآوری سے فولادی پٹ اندر کی طرف ہٹ آیا اور جانے کا راستہ ہوگیا۔

اس دروازے سے نکلتے ہی بلغان خاتون نے حیرت سے دیکھا کہ عجب فرحت بخش اور روح‌افزا چمن لگے ہوئے ہیں۔ پھولوں کی بہار اور طیور کی نغمہ سنجیاں دیکھتے ہی بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا "واہ"۔ مگر حسین جو اس مقام کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے حیرت سے دیکھ رہا تھا، شاہزادی کی زبان سے یہ لفظ

سن کے بولا : "مجھے تو فردوس بریں یہی معلوم ہوتی ہے مگر کیوں کر کہوں ؟"

**بلغان خاتون :** اب میں تمھیں حور نظر آئی ہوں تو ضرور ہے کہ یہ باغ جنت نظر آئے ۔ مگر پھر غور سے دیکھو کیا یہی وہ فردوس بریں ہے جس کی تم سیر کر چکے ہو ۔" یہ کہہ کے شاہ زادی ذرا مسکرائی ۔

**حسین :** بعینہ وہی مقام معلوم ہوتا ہے ۔ خداوندا ! میں خواب دیکھتا ہوں یا بیدار ہوں؟ اور ہاں دیکھیے طیور کے نغمے سے بھی وہی آواز نکلتی ہے "سلام علیکم طبتم فادخلوہا خالدین ۔"

**بلغان خاتون :** اس کے کیا معنی ؟

**حسین :** اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں وعدہ کیا ہے کہ جنت میں انھیں الفاظ سے لوگوں کا خیرمقدم ادا کیا جائے گا ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "تم پر سلام ہو! پاک ہو گئے تم لوگ لٰہذا ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو!"

حسین نے زبان سے تو یہ جواب دے دیا مگر اس کے دل و دماغ اور اس کی آنکھوں پر ساعت بہ ساعت زیادہ حیرت مستولی ہوتی جاتی تھی ۔ وہ ہر چیز کو گھبرا گھبرا کے دیکھتا اور بار بار کہہ اٹھتا : "یا تو میں آسمان پر پہنچ گیا اور یا فردوس بریں نیچے اتر آئی ۔ یہ تو بعینہ وہی باغ ہے جس میں میں زمرد کے ساتھ سیر کرتا پھرتا تھا ۔"

**بلغان خاتون :** فردوس بریں میں تو تم پہنچ گئے ، اب مطمئن رہو زمرد سے بھی ملا دوں گی ۔

حسین کو جنت میں پہنچ جانے کا تو یقین ہو ہی گیا تھا

شاہزادی کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی اُس کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا: ''آپ نے اس راہ میں رہبری کی ہے جس میں اب شیخ علی وجودی سے بھی دست گیری کی امید نہ تھی۔ یہ احسان ہمیشہ لوحِ دل پر نقش رہے گا۔''

**بلغان خاتون:** (حسین کو زمین سے اُٹھا کے) ذرا صبر و تحمل سے کام لو۔ زمرد سے ملنے کے لیے شرط ہے کہ چپکے ساتھ چلے چلو۔ ایسا اضطراب ظاہر کروگے تو کام بگڑ جائے گا۔

یہ کہہ کے شاہزادی نے پھر زمرد کا خط نکال کے پڑھا اور دونوں ہمراہیوں کو ساتھ لیے ہوئے ایک جانب چل کھڑی ہوئی اور چند منٹ میں وہ قصروں اورکوشکوں کے قریب تھی۔ حسین اس نظر فریب سین کو کھڑا نہایت ہی حیرانی و از خود رفتگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ناگہاں ایک حسین و نازنین عورت شاہزادی کے سامنے آئی اور اس کے پاؤں چومنے کو جھکی۔

**بلغان خاتون:** تم کون ہو؟ مگر اس کے ساتھ ہی حسین کی نظر جا پڑی؛ ایک بے اختیاری و خودفراموشی کے جوش میں اس کی زبان سے نکلا: ''زمرد!'' اور دوڑ کے لپٹ گیا۔

**زمرد:** (حسین کو اپنے سے علیحدہ کر کے) ذرا صبر کرو، پہلے مجھے شاہزادی کے سامنے اپنی احسان مندی ظاہر کرنے دو۔

**بلغان خاتون:** توتم ہی زمرد ہو؟ یہ کہہ کے اس نے زمرد کو گلے سے لگا لیا اور بولی: ''میں نے تو کیا احسان کیا ہے، ہاں تمھاری البتہ انتہا سے زیادہ شکر گزار ہوں۔

اگر تم مدد نہ کرتیں تو مجھے غم و الم سے کبھی نجات نہ ملتی ۔"

**زمرد** : (مسکرا کے اور کسی قدر ندامت سے) مگر شاہزادی ! اس میں میری خودغرضی بھی تو تھی ۔

**بلغان خاتون** : اسے خود غرضی نہ کہنا چاہیے ؛ یہ اس سادہ لوح نوجوان پر تمہارا احسان ہے کہ اپنی محبت سے عزت بخشی اور اتنے بڑے اور اس قدر گہرے فریب سے نجات دلائی ۔

اس کے بعد زمرد حسین کی طرف متوجہ ہوئی اور پوچھا : "اب تو تم پر سارا راز کھل گیا؟"

**حسین** : راز کیسا ؟ میں نے تو شاہزادی کے حکم کی اطاعت کی ، اور صرف اس وجہ سے کہ تمہاری یہی ہدایت تھی۔

**بلغان خاتون** : نہیں میں نے ابھی ان سے کچھ نہیں کہا اور نہ تمہارا کوئی خط دکھایا ہے ۔ مگر جب سے یہ اس باغ میں داخل ہوئے ہیں انتہا سے زیادہ پریشان و بدحواس ہیں ۔ اب اپنے ساتھ لے جاؤ اور جو کچھ کہنا ہو کہہ دو ، تاکہ یہ وحشت ذرا دور ہو اور آدمی بنیں ۔

**زمرد** : افسوس ! اس غلطی میں یہ ایسے ایسے کام کرچکے ہیں کہ اطمینان تو انہیں بڑی مشکلوں سے نصیب ہوگا۔

**بلغان خاتون** : لیکن اب یہی مصلحت ہے کہ انہیں اپنے قصر میں لے جاؤ اور کوشش کرو کہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ ہٹے ۔ مگر ہاں پہلے مجھے یہ تو بتا دو کہ یہاں کسی کا خوف تو نہیں ؟ تمہارے لکھنے کے مطابق میں آنے کو تو چلی آئی مگر اندیشہ

ہے کہ کوئی خرابی نہ اٹھ کھڑی ہو۔

**زمرد** : شاہزادی! آپ مطمئن رہیے ، کسی بات کا اندیشہ نہیں۔ آج شام تک آپ یہاں بے کھٹکے رہ سکتی ہیں ۔ مگر وہ جو میں نے لکھا تھا اس کا بھی بندوبست آپ نے کرلیا ہے ؟

**بلغان خاتون** : سب سامان کر چکی ہوں ، اگرچہ اس کے متعلق مجھے ذرا تردد ہے ۔

**زمرد** : وہ کیا ؟

**شاہزادی**: خیر کوئی مضائقہ نہیں ، اس کو پھر بیان کردوں گی ۔

یہ کہہ کے اس نے باقی ماندہ جوان کو بھی جو ساتھ آیا تھا ، کچھ کان میں کہہ کے واپس بھیجا اور زمرد سے پوچھنے لگی : "اور یہ تو بتاؤ کہ قلعے پر کدھر سے حملہ ہو سکتا ہے ؟"

**زمرد** : آپ قلعے ہی میں ہیں ، مگر اتنا حصہ قلعے سے علیحدہ کر دیا گیا ہے ۔ اگرچہ غیر لوگ یہاں نہر ویرنجان کے ذریعے سے اور بیرونی دیوار کے نیچے سے نکال کے لائے جاتے ہیں ، مگر اسی نہر کے اس طرف خورشاہ کا محل ہے۔

**حسین** : (چونک کے) خورشاہ کا محل ! وہ یہاں کہاں ؟ وہ تو قلعہ التمونت میں ہے ؟

**بلغان خاتون** : (ہنس کے) اب انھیں ان کے اس قصر دری ہی میں پہنچا دو جس کے دیکھنے کا انھیں شوق ہوگا۔ باقی باتیں پھر آ کے کرنا ۔ یہ اگر یہاں موجود رہے تو بات نہ کرنے دیں گے۔

**زمرد** : بے شک شاہ زادی ! آپ بجا فرماتی ہیں ۔ میں انھیں

وہاں بٹھا کے ابھی آتی ہوں۔

یہ کہہ کے اس نے حسین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا جو کہ بے ہوشی کے عالم میں کھڑا تھا اور شاہزادی کو تنہا چھوڑ کے اسے کھینچتی ہوئی اپنے قصر دری میں لے گئی۔ حسین راستے بھر اس سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا، مگر زمرد نے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا کہ پھر بتا دوں گی، اور اسے قصر میں بٹھا کے شاہزادی کے سامنے واپس آئی اور ادب سے کھڑی ہو گئی۔

**بلغان خاتون :** ہاں تو خورشاہ کے محل کو یہاں سے راستہ گیا ہے؟

**زمرد :** جی ہاں! وہ روز یہاں آ کے عیش و عشرت میں مشغول ہوا کرتا ہے۔ آپ اس راستے سے اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ بآسانی پہنچ جائیں گی۔ پہلے نہر کا سنہرا پل ہے، اس سے اترتے ہی آپ کو ایک راستہ ملے گا جو سیدھا خورشاہ کے حرم سرا کو گیا ہے، جس میں داخل ہوتے ہی آپ سمجھ لیجیے کہ التمونت کے قلعے میں پہنچ گئیں۔ آج عید کا دن ہے اور معمول ہے کہ اس زمانے میں کوئی شخص جنت میں نہیں لایا جاتا اور نہ خود خورشاہ آ سکتا ہے، اس لیے کہ اس علاقے کے تمام معزز و مقرب لوگ اور نیز دور دور کے سربرآوردہ اور نامی نقیب امام کی زیارت کو آتے ہیں اور قلعے میں عام معتقدین کا بڑا بھاری مجمع رہتا ہے۔ اسی خیال سے میں نے آپ کو رمضان کی ۲۷ تاریخ کو بلایا، کیوں کہ اس دن لازمی طور پر یہ باغ غیروں سے خالی رہتا ہے اور خود خورشاہ

کو بھی تین چار دن تک یہاں آنے کی فرصت نہیں ملتی۔ اگر اور کوئی زمانہ ہوتا تو اب تک آپ کے آنے کا حال قلعے میں معلوم ہو گیا ہوتا۔

**بلغان خاتون :** تو ابھی تک کسی کو ہمارے آنے کی خبر نہیں؟

**زمرد :** بالکل نہیں۔ اول تو یہاں کوئی مرد نہیں جو لوگوں کو خبر کر کے لڑائی کا سامان کرے؛ اور شاید کوئی عورت بھاگ کے چلی بھی جاتی، مگر میں نے آج صبح سے سنہرے پل کے پھاٹک میں قفل لگا دیا ہے اور کنجی میرے پاس ہے۔ للهذا ممکن نہیں کہ کوئی بھی بھاگ کے قلعے میں جا سکا ہو۔ اور لطف یہ کہ ان دنوں ادھر سے بھی کوئی آنے والا نہیں۔

**بلغان خاتون :** یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔ تم کہتی ہو آج عید ہے جب کہ قلعے میں خوشی کا جوش و خروش ہو گا۔ بس کوئی فکر نہیں۔ آج شام سے پہلے ہی ہمارا حملہ ہو جائے گا۔ مگر زمرد مجھے ایک بات کا تردد ہے۔ جس فوج کو میں نے اپنی مدد کے لیے بلایا تھا اس کا ابھی تک پتا نہیں۔ میرے ہمراہ صرف پانچ سو سپاہی ہیں جو شاید کافی نہ ہو سکیں۔

**زمرد :** میں تو سمجھتی ہوں کہ پانچ سو جوان بھی قلعے پر ادھر سے جا کے قبضہ کر لیں گے۔

**بلغان خاتون :** مگر مجھے یقین ہے کہ ہماری کمک آئے گی ضرور، صرف شام تک کی مہلت چاہیے۔

**زمرد :** شام کیا معنی آپ کل تک یہاں یوں ہی مخفی رہ سکتی ہیں۔ کوئی اندیشے کا مقام نہیں۔ بس جب تک وقت آئے یہاں آرام فرمائیے۔ آپ تھک بھی گئی ہوں گی

سستانے کے لیے اچھی مہلت مل گئی۔

اس کے بعد شاہزادی نے پوچھا: "اور زمرد! یہ لباس جو تم نے میرے اور میرے دونوں ساتھیوں کے لیے تجویز کیا، اس میں کیا مصلحت تھی؟"

**زمرد :** شاہزادی! آپ کا لباس تو وہی حوروں کا لباس ہے جس کو لوگ یہاں حلۂ جنت سمجھتے ہیں۔ اس لباس کی وجہ سے کسی کو آپ پر بدگمانی نہیں ہو سکتی۔

**بلغان خاتون :** شاید اسی لیے مجھے وہ کپڑے پہنے دیکھ کے حسین نے کہا تھا کہ آپ حور معلوم ہوتی ہیں۔"

یہ جملہ سن کے زمرد بہت ہنسی اور بولی: "مگر اپنے لباس کے متعلق انھوں نے کچھ نہ کہا؟"

**بلغان خاتون :** اور ہاں، مردوں کے لیے ایسا بیہودہ لباس تم نے کیوں تجویز کیا؟

**زمرد :** اس لیے کہ مردوں میں سے یہاں عام طور پر وہی دودھ والے آیا کرتے ہیں، جو یہاں کی نہروں اور حوضوں میں دودھ اور شراب بھرتے ہیں۔ اگر کوئی مرد اس لباس کو پہنے ہوئے یہاں آئے تو کسی کو خیال بھی نہ ہوگا کہ کوئی غیر ہے۔

**شاہزادی :** مگر ایسا نہ ہو کہ کسی کو خبر ہو جائے اور قبل از وقت راز کھل جائے۔

**زمرد :** کسی کو خبر نہ ہوگی، آپ شوق سے یہاں فروکش ہوں۔ عید کے دن کسی کو یہاں آنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

**بلغان خاتون :** بہتر! میں یہیں ٹھہر جاؤں گی، مگر مجھے چل کے ذرا جنت کی سیر کرا دو اور وہ پل اور سڑک بھی

دکھا دو تاکہ راستہ خوب پہچان لوں ۔

**زمرد : چلیے!**

اس تجویز کے بعد دونوں حسین و نازنین عورتیں قصروں اور کوشکوں کو قطع کرتی اور باغوں اور چمنوں کی بہار دیکھتی ہوئی اس بڑی نہر کے کنارے پہنچیں جس کے راستے سے لوگ سونے کی کشتی میں بٹھا کے جنت کے اندر لائے جاتے تھے ۔ اس کے سنہرے پل کے پھاٹک میں قفل لگا ہوا تھا ، جسے زمرد نے کھولا اور دونوں لڑکیاں دوسری طرف کے میدان میں آتریں ۔ ادھر بھی پھولوں کا ایک مسطح تختہ دور تک پھیلا ہوا تھا اور درمیان سے ایک سڑک گزری تھی جو تھوڑی دور تک کھلی فضا میں جا کے بڑے بڑے سایہ دار درختوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہوگئی تھی ۔ انھیں درختوں کے اس طرف حرم سرا کا راستہ تھا ۔

یہ دلچسپ سیر کرکے شاہزادی واپس آئی اور زمرد کے انتخاب کے مطابق ایک عالی شان فیروزئی کوشک میں جا کے فروکش ہوگئی ۔ زمرد دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی ، اور جب دیکھا کہ شاہزادی بلغان خاتون لیٹ کے آرام کیا چاہتی ہے تو اس سے رخصت ہو کے دروازہ اندر سے بند کروا لیا اور اپنے قصر کی طرف واپس روانہ ہوئی ۔

آٹھواں باب

# افشائے راز

حیرت زدہ و حواس باختہ نوجوان حسین کو جب زمرد شاہزادی کی تجویز کے مطابق قصر دری میں چھوڑ کے واپس گئی تو وہ گھبرا کے ایک ایک چیز کو دیکھتا اور اپنے دل سے پوچھتا تھا کہ کیا حقیقت میں یہ وہی مقام ہے جہاں میں امام قائم قیامت کی مدد سے آیا تھا ؟ مگر وہ تو ملاء اعلیٰ پر تھا اور یہ زمین ہی پر ہے ! لیکن کیوں کر شک کیا جائے ؟ خود زمرد بھی تو موجود ہے - اگر یہ کوئی دنیاوی باغ ہے تو وہ کیوں کر چلی آئی؟ خود اسی نے لکھا تھا کہ جنت میں ہوں اور فردوس بریں کی سیر کر رہی ہوں - آخر اسے جھوٹ بولنے سے فائدہ ؟ اس کے بعد وہ محل کے برآمدے پر آ کے کھڑا ہوا اور ایک ایک عمارت ، ایک ایک چمن کو غور سے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنے لگا - ہر چیز وہی اور ویسی ہی تھی جیسی کہ پہلے نظر سے گزری تھی - قصروں کے روکار پر اسی طرح جواہرات جڑے ہوئے تھے - ان کی وضع بھی ویسی ہی تھی - چمنوں کا بھی وہی رنگ اور وہی نقشہ تھا - سڑکیں اور روشیں بھی اسی طرح رنگ برنگ اور نظر فریب تھیں - سونے چاندی کے تخت آج بھی اسی پہلی شان سے بچھے تھے - نہریں بھی اسی طرح مستانہ روی

سے بہ رہی تھیں ۔ ہاں صرف ایک چیز کی کمی تھی ، وہ یہ کہ وہ وجد میں لانے والا گانا نہ تھا ۔ مگر جب طیور کی زبان سے وہی قرآنی ترانۂ خیرمقدم سن لیا تو ادھر سے بھی شک جاتا رہا ۔ وہ اسی پس و پیش میں تھا کہ ایک طائر نے ایک تازہ اور شاداب سیب اپنی چونچ میں لا کے اس کے سامنے ڈال دیا اور وہ چونک کے بول اٹھا : "یہ بھی خاص فردوس بریں کی علامت ہے ۔"

حسین کے خیالات میں ایک عجیب قسم کا تردد و اضطراب تھا اور یہ معما کسی طرح حل ہونے ہی کو نہ آتا تھا کہ سامنے سے زمرد نظر آئی جو شاہزادی سے رخصت ہو کے اس کے پاس آ رہی تھی ۔ اس کی دل‌ربا اور ناز آفرین صورت دیکھتے ہی وفور جوش سے حسین کا دل دھڑکنے لگا اور عشق کے جذبات نے یک بہ یک ایسی بے اختیاری کی حالت طاری کی کہ برآمدے سے اتر کے استقبال کو دوڑا اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے ۔

حسین : پیاری زمرد! للہ بتا کہ میں کس عالم میں ہوں؟ اور یہ کیا دیکھ رہا ہوں ؟

زمرد : (مسکرا کے) وہی دیکھ رہے ہو جو ایک دفعہ دیکھ چکے ہو ۔

حسین : وہی ! یعنی ملاء اعلیٰ پر ہوں ؟

زمرد : واقعی جو ساز و سامان نظر آ رہا ہے اس کے لحاظ سے اس جگہ کو ملاء اعلیٰ ہی کہنا چاہیے ۔

حسین : کہنا چاہیے ؟ تو کیا اصل میں نہیں ہے ؟

زمرد : تم ہی اپنے دل سے پوچھو ۔ تم نے اس مقام کو زمین پہ پایا آسمان پر؟

**حسین** : آیا تو زمین ہی کے راستے سے ہوں ۔

**زمرد** : تو زمین ہی پر سمجھو بھی ۔

**حسین** : مگر کیوں کر سمجھوں ؟ تمھاری قبر ، تمھارے وہ خطوط ، یہاں تک آنے کے وہ گزشتہ ذریعے ، ان تمام باتوں میں سے جس چیز کا خیال کرتا ہوں اسی امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کوئی اور عالم ہے اور یہاں کی مسرتیں دنیاوی مسرتوں سے بالا ہیں ۔

یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں قصر میں داخل ہوئے اور زمرد نے کہا: "یہاں کی مسرتیں تو بے شک دنیا کی عام مسرتوں سے بالا ہیں مگر یہ نہ سمجھو کہ تم دنیا سے نکل کے کسی اور جگہ آ گئے ہو۔"

**حسین** : پھر وہ سب واقعات جو گزر چکے ہیں ان کی نسبت کیا خیال کروں ؟

**زمرد** : وہ سب میری مجبوری ، میری بے دست و پائی اور تمھاری سادہ لوحی کا نتیجہ تھے ۔

**حسین** : میں اس کا مطلب نہیں سمجھا ؟

**زمرد** : گھبراؤ نہیں ، سب سمجھ جاؤ گے ۔ مگر افسوس! جس قدر زیادہ سمجھو گے اسی قدر زیادہ پریشان ہو گے اور اپنے کیے پر پچھتاؤ گے ۔

**حسین** : زمرد ! اب مجھے تیری صورت پر بھی شبہ ہوتا ہے۔ تو وہی زمرد ہے جو میرے ساتھ آمل سے آئی تھی ؟

حسین کی زبان سے یہ سادگی کا سوال سن کے زمرد کو ہنسی آ گئی مگر ضبط کیا ، اور ایک عجیب دل‌فریب ادا کے ساتھ پُرمعنی اور شوخ چتونوں سے دیکھ کے بولی : " نہیں ، دوسری ہوں ۔"

اس جواب کو حسین نے جیسے سنا ہی نہیں ۔ اس نے زمرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور غور سے دیکھ کے بولا : "یہ وہی نورانی جسم ہے یا میرے ہی جسم کا سا مادی پتلا ؟"

زمرد : ہوش کی باتیں کرو ۔ تم بالکل از خود رفتہ ہوئے جاتے ہو ۔ اور تمھاری آنکھوں کے سامنے سے ایک بہت بڑا طلسم ٹوٹا ہے جس کے اثر سے تمھارے حو س نہیں ٹھکانے رہے ۔ ذرا ہوش میں آؤ اور حواس اکی باتیں کرو کہ سارا راز اور تمام سرگزشت بیان کروں ۔

حسین : پیاری زمرد! جلدی بیان کر ۔ اس لا علمی اور ناواقفی نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے ۔

زمرد : سنو! اس وادی میں ہم دونوں نے جن پریوں کو دیکھا تھا وہ پریاں نہ تھیں بلکہ اسی مصنوعی جنت کی حوریں ـــــ

حسین : (حیرت سے بات کاٹ کے) مصنوعی جنت ؟ تو یہ وہ جنت نہیں ہے جس کا مومنین سے وعدہ کیا گیا ہے ؟

زمرد : ذرا صبر کرو ۔ خیر تم تو وہاں بے ہوش ہو گئے اور مجھے وہ یہاں پکڑ لائیں ۔ نہ میں ماری گئی اور نہ شہید ہوئی ، مگر صرف اس لیے کہ تم کو میرے مرنے کا یقین آ جائے ، انھوں نے واپسی سے پہلے بھائی کی قبر میں ذرا تغیر پیدا کیا اور اسی وقت رات کو مجھ سے پوچھ کے بھائی کے نام کے برابر میرا نام بھی کندہ کر دیا ۔ اس سے غرض صرف یہ تھی کہ تم مجھ سے مایوس اور میرے خیال سے دست بردار ہو کے چلے جاؤ ؛ اس وادی کی خطرناک حالت ہر ملنے والے سے بیان کرو اور یہاں کی پریوں

کی ہیبت ہر شخص کے دل میں بٹھا دو ۔

حسین : تو تم زندہ ہو؟ یہ کہا اور زمرد کو سر سے پاؤں تک گھور گھور کے دیکھنے لگا ۔

زمرد : (جھنجھلا کے)نہیں چڑیل ہو گئی ہوں ۔ حسین نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور زمرد نے ایک لمحہ توقف کرکے پھر سلسلۂ کلام شروع کیا : ''تو تم کو یہ دھوکا دیا گیا اور میں یہاں لائے جانے کے بعد انھیں عورتوں میں شامل کر دی گئی جو یہاں حوریں کہلاتی ہیں ۔ چند روز بعد دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ تم اسی طرح میری قبر کے مجاور بنے بیٹھے ہو اور جانے کا نام ہی نہیں لیتے ۔ آخر یہاں غور کیا گیا کہ وہ وادی تم سے کیوں کر خالی ہو۔ اکثروں کی رائے تھی کہ قتل کر ڈالنا چاہیے مگر اتفاق سے میری ایک تدبیر کارگر ہو گئی اور تجویز قرار پائی کہ کسی ایسے طریقے سے تمھیں وطن واپس جانے کی ہدایت کی جائے کہ کسی کا لگاؤ نہ ثابت ہو ، اور تم بغیر اس کے کہ کسی قسم کی بدگمانی کرو وہ وادی چھوڑ دو ۔ اسی تجویز کا نتیجہ میرا پہلا خط تھا جس میں تم سے میری وصیت پوری کرنے کی درخواست کی گئی تھی ۔ وہ خط میرے ہی ہاتھ سے لکھوایا گیا اور مجھ (ہی) سے حالات دریافت کرکے اس کے مضمون کا مسودہ تیار کیا گیا ۔ مگر حسین ! وہ خط صاف کرتے وقت میں چپکے ہی چپکے بہت روئی تھی ، اس لیے کہ جانتی تھی خود اپنے ہاتھ سے دائمی مفارقت کا سامان کررہی ہوں ۔ خیر وہ خط

تمھارے پاس گیا اور یقین تھا کہ تم چلے گئے ہو گے مگر تین چار روز بعد جب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اب بھی تم اسی طرح بیٹھے ہو۔ اور گویا تمھارے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

**حسین :** بے شک نہیں ہوئی تھی۔ زمرد! میں مر جاتا اور وہاں سے نہ ہٹتا۔

**زمرد :** جب یہ معلوم ہوا تو لوگوں کو پھر فکر پیدا ہوئی؛ کئی مرتبہ خود مجھ سے کہا گیا کہ یہ تدبیر تو بےسود ہوئی، اب کیا کیا جائے؟ اب کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہ آتی تھی اور دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں یہ غضب نہ ہو کہ لوگ تمھارے مار ڈالنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اتفاقاً انھیں دنوں میں خبر آئی کہ امام نجم الدین نیشاپوری باطنین کے خلاف زور شور سے وعظ کہہ رہے ہیں، اور تدبیریں کی جا رہی تھیں کہ کسی فدائی کے ہاتھ سے وہ قتل کرا دیے جائیں۔ کم بختی یا شامت اعمال سے میری زبان سے نکل گیا کہ وہ تمھارے چچا اور تمھارے استاد و مرشد ہیں۔ یہ خبر جیسے ہی یہاں کے بادشاہ خورشاہ کے کان میں پہنچی اس نے خیال کیا کہ وہ امام عالی مقام تمھارے ہاتھ سے قتل ہوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس طرح زمانے بھر کو معلوم ہو جائے گا کہ مذہب باطنیہ دلوں پر کس قدر گہرا اثر ڈالتا ہے کہ انسان اپنے عزیز و قریب، استاد و مرشد تک کی پروا نہیں کرتا۔ تمھارے خنجر سے ان کا قتل ہونا ایک ساتھ اتنی باتوں کا ثبوت دے سکتا تھا کہ بھتیجے نے چچا

کو ، شاگرد نے استاد کو ، مرید نے مرشد کو بلا تامل ثواب سمجھ کے قتل کرڈالا ۔

زمرد نے یہیں تک کہا تھا کہ حسین نے بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لی اور آب دیدہ ہو کر کہنے لگا : "افسوس ! میں نے کتنا بڑا ظلم اور گناہ کیا ۔ آہ ! ایسے معصوم امام ، شفیق بزرگ اور خدا شناس مرشد کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ۔ زمرد! یہ تیرے ہی شوق میں اور تیری ہی ہدایت کی وجہ سے تھا ، ورنہ میں اتنے بڑے ظلم کی ہرگز جرأت نہ کرتا ۔"

زمرد : حسین ! میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں کہ اس گناہ میں مجھے نہ شریک کرو۔ مجھے جب اس کا خیال آ جاتا ہے کانپ اٹھتی ہوں ۔ مگر خیر اب یہ ذکر جانے ہی دو ۔ ایک ہونے والی بات تھی جس کو کوئی نہ روک سکتا تھا ۔ میں نے اگر تمھیں اس کام کے لیے تیار کیا تو اپنے بس میں نہ تھی ، اور تم اگر آمادہ ہوگئے تو اپنے ہوش میں نہ تھے ۔

حسین : (زور سے سینہ پیٹ کر) مگر افسوس ، زمرد! یہ عذر خدا کے سامنے نہ سنے جائیں گے ۔ میں نہ مجنون تھا ، نہ بے ہوش ؛ صاف نظر آ رہا تھا کہ ایک گناہ عظیم کر رہا ہوں مگر تیرا شوق بار بار دل کو ابھار کے آمادہ . . . .

زمرد : (بے تابی سے بات کاٹ کے) ہائے پھر میرا نام . . . .! خدا کے لیے حسین ! مجھے اپنے ساتھ نہ سانو (رو کے اور آنسو بہا کے) میں نے جو کچھ کیا ہے مجبوری اور بےبسی سے ۔ افسوس! خود اپنے دل سے تو لعنت کی آواز سن ہی رہی تھی، اب تمھاری زبان سے بھی وہی

سنتی ہوں ۔"

یہ کہہ کے زمرد زار و قطار رونے لگی ۔حسین نے بے اختیاری کی جلدی سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا : "زمرد ! بے شک تو بے خطا ہے ۔ اگر میں نے تیرا دل دکھایا تو معاف کر اور آگے بتا کہ پھر کیا ہوا ؟"

زمرد : (رومال سے آنسو پونچھ کر) پھر تم کو دوسرا خط ملا جس میں تمھیں کوہ جودی کے غار اور شہر خلیل کے تہ‌خانے میں چلہ کشی کرنے اور پھر حلب میں جا کے شیخ علی وجودی سے ملنے کی ہدایت کی گئی تھی ۔ وہ خط بھی اسی طرح بھیجا گیا کہ اس کا مسودہ لکھ کے مجھے دیا گیا اور جب میں نے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا تو میری قبر پر رکھوا دیا گیا ۔

حسین : لیکن اگر اتنا ہی کام تھا کہ امام نجم الدین نیشاپوری قتل کر ڈالے جائیں تو مجھے اتنے چکر کیوں دیے گئے اور میرے راستے میں یہ بے کار کی دشواریاں کیوں پیدا کی گئیں؟

زمرد : اس لیے کہ تمھارے شوق میں ہیجان اور بے صبری پیدا ہو ۔ اگر بغیر اتنے چلے کھنچوائے اور بغیر علی وجودی کے پاس ایک سال تک انتظار کرائے کہہ دیا جاتا تو تم اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب پر ہرگز آمادہ نہ ہوتے ۔

حسین : زمرد! تیرا شوق میرے دل میں اس قدر تھا کہ جس کام کو کہا جاتا اسی وقت پورا کرنے کو تیار ہو جاتا ۔

زمرد : (ہنس کے) خیر تو ان کو نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے بے وقوف ہو اور تمھارے اخلاق اس قدر کمزور ہیں ۔

حسین : مگر کیوں کر کہوں ؟ زمرد! مجھے تیری باتوں کا

یقین نہیں آتا - ان آنکھوں سے ایسی ایسی کرامتیں اور عقل انسانی سے اس قدر بالا باتیں دیکھ چکا ہوں کہ ان لوگوں کی خدا شناسی سے انکار کرنے کی کسی طرح جرأت نہیں ہوتی - جن گدھوں پر ہم دونوں سوار ہو کے آئے تھے وہ تو مر چکے تھے، مگر مجھے ایک نیا تازہ‌دم گدھا اسی درخت میں بندھا ملا- اور ایسا خوب صورت، توانا و تندرست اور تیز رو کہ اس وقت تک میں یہی سمجھتا ہوں کہ میری سواری کے لیے خاص خدا کے پاس سے آیا تھا -

زمرد : وہ گدھا یہیں سے بھیجا گیا تھا - جس وقت وہ تمھارے نام کا خط قبر پر رکھوایا گیا ہے، اسی وقت وہ گدھا ایک دوسرے راستے سے بھیج کے اس درخت میں بندھوا دیا گیا تھا -

حسن نے اس جواب کو حیرت سے سنا اور بولا : "عجب! مگر پھر بھی میرے شبہات نہیں دور ہوتے - آخر شیخ علی وجودی کو میرے سب حالات کیوں کر معلوم ہوگئے، وہ یہاں سے ہزارہا کوس کے فاصلے پر ہیں ؟"

زمرد : تمھارے روانہ ہونے کے ساتھ ہی ان کو تمام واقعات کی خبر کر دی گئی تھی - ان کو لکھ بھیجا گیا تھا کہ تم امام نجم الدین کے بھتیجے، شاگرد اور مرید ہو - انھیں کے قتل کا تم سے کام لینا ہے، اور وہاں پہنچنے سے پہلے تم کوہ جودی کے غار اور خلیل کے تہ خانے میں چلہ کھینچو گے - یہ سب باتیں ان کو دوسرے ذریعوں سے معلوم ہو چکی تھیں، مگر انھوں نے غیب‌دانی اور کرامت کی شان سے بیان کر کے

تمھیں اپنا فریفتہ بنایا ۔

حسین اب نہایت ہی متعجب تھا ۔ وہ حیرت کے دریا میں غرق تھا اورکسی طرح تھاہ نہ ملتی تھی ۔ زمرد اپنی بات پوری کرکے خاموش ہو گئی اور وہ سوچ میں پڑا تھا۔ آخر اس نے سخت حیرت زدگی کی شان سے آنکھیں اٹھا کے کہا : ”زمرد ! سچ بتا ، یہ سب باتیں تو سچ کہہ رہی ہے یا مجھے دھوکا دے رہی ہے؟ مجھے تو اپنی تمام گزشتہ زندگی ایک خواب کی سی معلوم ہوتی ہے۔ متردد ہوں کہ تیری اس ملاقات اور ان سب باتوں کو خواب سمجھوں یا ان تمام واقعات کو جو تجھ سے جدا ہونے کے بعد پیش آئے ؟ کیا حقیقت میں میں اتنا بڑا بے وقوف ہوں کہ ایسے عظیم الشان فریب اور جعل میں مبتلا ہوگیا ؟ لیکن زمرد! اگر یہ سب سکھائی پڑھائی باتیں تھیں تو علی وجودی کو اسی قدر حال معلوم ہوتا جس قدر کہ یہاں سے بتایا گیا تھا ؛ انھیں یہ کیوں کر معلوم ہوگیا کہ میں شہر خلیل کے مجاوروں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا تھا اور باطنین کے ناگہاں آ پڑنے سے چھوٹ کے بھاگا ؟“

**زمرد** : حسین! تم حقیقت میں بڑے سادہ‌لوح ہو ۔ اس کا سبب میں بغیر جانے سمجھ گئی اور تم نہیں سمجھ سکتے؟ لیکن حقیقت میں تم مجبور ہو ۔ تمھارے دل و دماغ پر ہر طرف سے اتنا اثر ڈالا گیا کہ اب بمشکل تم ان باتوں کو اپنے دماغ سے نکال سکتے ہو ۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ باطنین دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی سازشوں کا جال ہر گاؤں اور چھوٹے سے چھوٹے قریے تک پر پڑا ہوا ہے ؟ علی وجودی کے پاس تم پورے ایک سال رہے ، ممکن نہیں کہ اس کا

حال تمھیں نہ معلوم ہوگیا ہو۔

حسین : ہاں! میں نے یہ البتہ دیکھا کہ ان کے معتقد تمام اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر سال میں ایک دفعہ ان کی زیارت کو بھی آتے ہیں۔ اور مجھے یہ بھی نظر آیا کہ وہ لوگ پوشیدہ طور پر اور صرف رات کو مل کے چلے جاتے ہیں۔

زمرد : اسی سے سمجھ سکتے ہو کہ ان کے ہاتھ میں خبریں پہنچنے کے کتنے بڑے ذریعے موجود ہیں۔ تم نے جس وقت اس وادی کو چھوڑا تھا اس وقت سے آخر ورود حلب تک ہر منزل اور ہر مقام پر تمھاری نگرانی ہوتی ہوگی اور تمھاری روز روز کی خبر علی وجودی کو پہنچتی ہوگی۔ کچھ تم ہی پر منحصر نہیں، ان باطنین کے پنجے میں جو شخص پڑتا ہے اسی طرح نظروں میں رکھا جاتا ہے۔ پھر کون تعجب کی بات تھی اگر تمھاری خلیل کی گرفتاری کا حال ان کو معلوم ہوگیا ؟

حسین : مجھے اس پر حیرت نہیں؛ حیرت کی تو یہ بات ہے کہ شیخ کہتے تھے انھیں کے اشارے سے باطنین نے حملہ کرکے مجھے قید سے آزاد کرایا۔

زمرد : کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بے شک علی وجودی نے تمھارے چھڑانے کے لیے اپنے معتقدوں کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا ہوگا۔

حسین : مگر کیوں کر حکم دے دیا ہوگا ؟ میری گرفتاری کی خبر پہنچنے اور وہاں سے حملے کا حکم آنے میں بھی تو آخر کچھ زمانہ لگتا ؟ وہاں تو یہ واقعہ پیش

آیا کہ جس رات کو میں نکلنے والا تھا میرے باہر آنے سے پیش‌تر ہی خلیل کا حاکم باطنین کے ہاتھ سے قتل ہوا ، اور پھر میں گرفتار ہوا تو اس کو بھی پورا ایک دن نہیں گزرنے پایا تھا کہ ان کا ایک بڑا گروہ شہر پر آ پڑا ۔ ان تمام باتوں کی تکمیل اتنی جلدی کیوں‌کر ہو سکتی تھی ؟

زمرد : (ذرا تامل کر کے) یہ کون مشکل ہے ؟ باطنین کو معلوم ہوگا کہ تم کس روز تہ خانے میں اترے تھے اورکس روز نکلوگے ، اور یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ جس روز نکلو گے یہ مشکلات ضرور پیش آئیں گی ۔ بس اس زمانے میں انھوں نے شیخ علی وجودی کو خبر کر کے مدد کا اشارہ پا لیا ہوگا ۔ اسی کے مطابق دن گنتے رہے اور ٹھیک چالیسویں دن ، جس دن تم نکلنے والے تھے ، انھوں نے رئیس شہر کو قتل کر ڈالا کہ لوگ دوسری فکر میں رہیں اور تم چپکے سے نکل کے بھاگ جاؤ ۔ مگر جب انھیں خبر پہنچی کہ اس رئیس کے قتل سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور تم مجاوروں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے تو انھوں نے یکایک حملہ کر کے شہر میں کھلبلی ڈال دی اور تمھیں چھوٹ کے بھاگ جانے کا موقع مل گیا ۔

حسین : (زور سے آہ سرد بھر کے ) تو زمرد افسوس ! یہ سب جھوٹ تھا ؟ شیخ علی وجودی کا سا شخص اور اتنا بڑا مکار! کیوں کر کہوں ؟ زمرد! ان کرامتوں اور اس غیب دانی کے علاوہ ان کا علم و فضل اس پائے کا ہے اور ان کے ہر ہر لفظ سے ایسی خدا شناسی اور

آشنائے رموز وحدت ہونے کی بو آتی ہے کہ چاہتا ہوں ، مگر ان پر بدگمانی کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اتنا بڑا عالم و فاضل ، ایسا نکتہ سنج و دقیقہ رس اور اتنا بڑا فریبی ! میں امام نجم الدین کی صحبت میں رہ چکا تھا ، مگر پیاری زمرد! سچ کہتا ہوں کہ جو بات مجھے شیخ علی وجودی میں نظر آئی اور جس آسانی سے وہ دل کے شکوک رفع کر دیتے ہیں امام نجم الدین میں اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔

زمرد : بے شک ایسا ہی ہوگا ! مگر بات یہ تھی کہ امام نجم الدین جو دل میں آتا ہوگا سادگی اور بے تکلفی سے کہہ گزرتے ہوں گے۔ انھوں نے اپنے بنانے اور اپنا اثر ڈالنے کی کبھی کوشش نہ کی ہوگی۔ اور شیخ علی وجودی کا ہر لفظ بنا ہوا اور دل پر اثر ڈالنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے ہر فقرے میں پوری ریاکاری ہوتی ہے۔ جھوٹ اور سچ میں یہی فرق ہے۔ اور اسی سبب سے ہمیشہ قاعدہ ہے کہ کیاد و فریبی کی باتیں ایک راست باز اور سادہ مزاج شخص کی باتوں سے زیادہ دل چسپ اور زیادہ دل نشین ہوا کرتی ہیں۔ یقین ہے کہ شیخ علی وجودی سے مل کے تم کو خدا شناسی کا بہت عمدہ سبق مل گیا ہوگا۔

حسین : (زور سے سینے پر ہاتھ مار کے) ہاں ! خوب سبق ملا ، مگر خبر اس وقت ہوئی ہے جب کہ پورا جادو اثر کر چکا ، اور میں ساری دنیا سے زیادہ ظالم ، سیہ کار ، بے دین اور بے وقوف بن چکا۔ افسوس ! تمام عمر پچھتاؤں گا اور نہ پچھتا چکوں گا۔ مگر زمرد! کیا کہوں ،

اب بھی یہ سب باتیں خواب معلوم ہوتی ہیں ۔ طورمعنی اور اس کے نورانی قصر کی صورت اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے ۔

زمرد : ہاں وہ بھی اس مذہب کا ایک بڑا رکن ہے ۔ اس وقت تک صرف دو ہی شخص شاہ التمونت کو ملے ہیں جن سے اچھا نقیب و داعی اس مذہب باطنیہ کو نہیں نصیب ہو سکا ۔ طور معنی اور علی وجودی ، جو یہاں وادیِ ایمن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ ان دونوں نے اپنی گہری سازشوں سے صدہا امرا ، وزرا اور علما و فضلا قتل کرا ڈالے ۔ اور چوں کہ اس جنت اور ملاء اعالی کی اصلیت کو اچھی طرح جانتے ہیں لہٰذا ان پر سارا فریب کھلا ہوا ہے اور لوگوں کو جان بوجھ کے گم راہ کرتے ہیں ۔ طورمعنی بھی لوگوں سے کم ملتا ہے مگر وادیِ ایمن نے دنیا کو بہت خراب کیا ۔ دین کو جتنا بڑا ضرر اس شخص کے ہاتھ سے پہنچا شاید کبھی کسی کے ہاتھ سے نہ پہنچا ہوگا ۔

حسین : تو کیا وہ طور معنی کا زمین دوز قصر بھی کوئی قدرتی کرشمہ نہیں ؛ اسی جنت کی طرح وہ بھی لوگوں کے فریب دینے کے لیے بنا دیا گیا ہے ؟

زمرد : (مسکرا کے) کیا تمھیں اب بھی شک ہے ؟

حسین : شک نہیں ؛ پیاری زمرد! تیری باتوں کا یقین ہے مگر کیا بتاؤں کہ ان آنکھوں کے سامنے سے کیسی کیسی کیفیتیں گزر چکی ہیں اور ان کانوں نے کیسے کیسے وشن اور دل فریب الفاظ سنے ہیں ! خیر یہ بھی

نہ سہی ، مگر طور معنی کا قصر تو اصفہان میں ہے ، وہاں کے غار سے میں یہاں کیوں کر پہنچ گیا ؟

زمرد : التمونت کا نام چوں کہ کسی قدر مشہور ہو گیا ہے اور بعض لوگ بھڑک گئے ہیں لہٰذا جن لوگوں کی نسبت ایسا خیال ہوتا ہے ، وہ اصفہان اور طور معنی ہی کے ذریعے سے یہاں لائے جاتے ہیں - اور سارا راز مخفی رکھنے کے لیے یہ تدبیر عمل میں آتی ہے کہ طور معنی انھیں بے ہوش کر کے اونٹوں کی محملوں پر سوار کراتا ہے جو رازدار اور معتبر ساربانوں کے ذریعے سے التمونت پہنچا دیے جاتے ہیں - ہر منزل پر رات کو کسی جگہ ان لوگوں کو ہوش میں لا کے کچھ کھلا پلا دیتے ہیں اور پھر بے ہوش کر کے آگے روانہ ہوتے ہیں -

حسین : (چونک کر) تو میں جو اپنے آپ کو کبھی جنگل میں پاتا تھا اور کبھی پہاڑوں میں وہ یہی تھا کہ اصفہان سے روانہ ہو کے التمونت کے منازل قطع کر رہا تھا ؟

زمرد : اور کیا ؟

حسین : (حیرت سے) اور یہ لوگ انسان کو بےہوش کیوں کر کرتے ہیں ؟

زمرد : ایک پتی ہے حشیش (بھنگ) اسی کے ذریعے سے - کبھی اس کا شربت پلا کے اور کبھی اسے غذاؤں اور مٹھائیوں میں ملا کے -

حسین : (بے صبری سے) تو طورمعنی نے جو جام شراب پلایا وہ اسی حشیش کا جام تھا ؟

زمرد : بے شک!

حسین : افسوس! مجھے مسکرات بھی پلائے گئے؟ آہ! کوئی گناہ نہیں جو اٹھ رہا ہو۔ زمرد! تو ناراض نہ ہو، کیوں کہ صرف تیرے وصال کی آرزو نے اندھا کردیا تھا، ورنہ میں اتنا مجنون و فاترالعقل نہ تھا۔ تیری محبت کی یہ حالت ہے کہ دیکھ تیرے بوسے کا یہ نشان جو میری پیشانی پر موجود ہے، مجھے جان و دل سے زیادہ عزیز ہے۔ چاہتا تھا، کہ اس نشان کے بوسے لے لے کے اپنے دل کی تسلی کروں مگر یہ مشتاق ہونٹ کسی طرح وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

حسین کی ان باتوں پر زمرد کچھ ایسی شرما گئی تھی کہ اس کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی دیر تک آنکھیں نیچی کیے رہی اور کئی منٹ کے بعد جذبات شرم کو دبا کے بولی: "حسین! نہ بوسہ لینے سے کسی شخص کے جسم پر داغ بن جاتا ہے اور نہ میں اتنی بے حیا ہوں۔"

حسین : (بات کاٹ کے) اچھا، تمھارے سوا اور کس نے میرا بوسہ لیا ہوگا؟ میں نے کسی کو منہ تک تو لگایا نہیں!

زمرد : (اسی طرح نظریں جھکائے جھکائے) اب مجھ سے بےشرمی کی باتیں نہ کہلواؤ۔ یہ تم کو فریب دیا گیا ہے۔ نہ یہ بوسے کا نشان ہے اور نہ عشق بازی کی پہچان، بلکہ یہ ایک علامت ہے جو ہر شخص کی پیشانی پر لوہے سے داغ کے بنا دی جاتی ہے جو اس جنت میں لایا جاتا ہے۔

حسین : داغا ہوتا تو مجھے یاد نہ ہوتا؟

زمرد : یہ داغ بے ہوش کر کے بنایا جاتا ہے۔ اور تم جب

التمونت سے اصفہان کو جا رہے ہوگے اسی وقت
بنایا گیا ہوگا ۔

**حسین** : (زور سے سینہ کوٹ کے) افسوس ! گل لینے گئے تھے
داغ لائے !

اس کے بعد حسین دیر تک دل ہی دل میں اپنی حالت پر افسوس کرتا رہا اور پھر ایک دفعہ چونک کے بولا : "زمرد ! افسوس بڑا دھوکا ہوا ؛ تو نے مجھے اسی وقت کیوں نہ بتا دیا جب میں تیرے پاس لایا گیا تھا ۔ اس وقت تو تو بھی مجھے یقین دلا رہی تھی کہ یہ سب ملاء اعلیٰ کی چیزیں ہیں ۔"

یہ سن کے زمرد آب دیدہ ہوگئی اور ایک درد کی آواز میں بولی: "میری قسمت ہی میں یہ لکھا تھا کہ تمھیں دھوکا دوں گی ۔" زمرد کو آب دیدہ اور ملول دیکھ کے حسین کے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور بے اختیاری کے ساتھ با وفا معشوقہ کے آنسو پونچھ کے کہنے لگا : "زمرد مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اس سوال سے تیرے دل کو صدمہ پہنچے گا ۔ اچھا جانے دے ؛ وعدہ کرتا ہوں کہ پھر ایسی بات نہ پوچھوں گا ۔"

**زمرد** : تم زخم پر اور نمک چھڑکتے ہو ۔ اس وقت تک
تم نے سب کچھ پوچھا مگر یہ نہ پوچھا کہ تم سے
چھوٹ کے مجھ کم بخت کے سر پر کیا گزری ۔ تم تو
آزاد تھے ، دنیا میں پھر رہے تھے مگر آہ میں قید تھی ،
اور کیا کہوں کہ کس عذاب میں مبتلا تھی ۔ یہ
بات میرے اختیار میں نہ تھی کہ کسی راز کا ایک
ذرا سا اشارہ بھی دے سکوں ۔" اتنا کہہ کے زمرد
زار و قطار رونے لگی ۔

**حسین** : (گلے لگا کر اور آنسو پونچھ کے ) بے شک مجھ سے

غلطی ہوئی کہ ان باتوں کا پوچھنا بھول گیا مگر سچ کہتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک کوئی بات سوچ سمجھ کے نہیں پوچھی - یہ جو کچھ پوچھا ہے ، میں نے نہیں پوچھا بلکہ حیرت و بےخودی پچھوا رہی تھی - ایسی از خود رفتگی کی حالت میں کوئی فروگزاشت ہوگئی ہو تو معاف کر -

زمرد : خیر اب تم نے یہ داستان چھیڑی ہے تو لو سنو - یہ باغ فدائیوں اور باطنیوں کے اعتقاد میں تو جنت‌الفردوس اور ملاء اعلیٰ کا سرمدی عشرت کدہ ہے مگر سچ پوچھو تو شاہان التمونت کی عشرت سرا یا حرم سرا کی حیثیت رکھتا ہے - ڈیڑھ سو برس کی متواتر کوششیں روز بروز اس کی رونق بڑھاتی رہیں ، اور چوں کہ اس سے مذہبی کام لیا جاتا تھا لہٰذا ہر چیز کے بنانے میں بھی کوشش کی گئی کہ اس کی خوش‌نمائی و دل فریبی انسان کے حوصلے سے زیادہ اور اس کے محو حیرت کر دینے کے لیے کافی ہو - یہ محل جو دیکھتے ہو کہ سونے چاندی اور مونگے موتی کے نظر آتے ہیں ، صرف نقرئی طلائی اور ان جواہرات کے رنگ میں رنگ دیے گیے ہیں ، ورنہ وہی اینٹ اور چونا ہے جس سے ہر جگہ مکان بنائے جاتے ہیں - نہروں کے جاری کرنے میں البتہ بڑی محنت سے کام لیا گیا - مگر یہاں قدرتی طور پر پہاڑوں سے آبشار اور نہریں جاری کرنے کا سامان موجود تھا - یہ بڑی نہر جو اس باغ کے درمیان میں بھی ہے اور جس پر ایک سنہرا پل قائم ہے ، وہی نہر ویرنجان

ہے جس کے کنارے تم نے مدتوں آہ و زاری کی ہے۔

حسین : (حیرت سے) یہ وہی نہر ہے ؟

زمرد : وہی! یہ نہر خاص شاہی قصر سے بہتی ہوئی یہاں آئی ہے اور یہاں سے چند ایسی گھاٹیوں میں ہو کے جن میں گزرنا غیر ممکن ہے ، اس فرحت بخش وادی میں پہنچ گئی ہے۔

حسین : اور زمرد وہ روشنی کیسی تھی جسے تو نے نور یزدانی بتایا تھا ؟

زمرد : وہ روشنی صرف یہ تھی کہ گرد کی پہاڑیوں پر رات کو بہت تیز روشنی اور پوری قوت کی مہتابیں چھوڑی جاتی تھیں جن کا عکس یہاں کے آئینوں اور شیشوں پر لے کے قوی اور تیز کیا جاتا تھا۔ اس روشنی کا سامان صرف اس زمانے میں کیا جاتا ہے جب یہاں کوئی شخص معتقد بنانے کے لیے لایا گیا ہو۔ اس وقت سب کو حکم رہتا ہے کہ جب وہ روشنی تیزی سے چمکے تو چلا کے کہیں "ھٰذاالذی ما وعدنی ربی"۔ اور وہ دودھ اور شراب کے حوض بھی اسی ضرورت کے موقع پر لبریز کیے جاتے ہیں۔ لوگوں کا تختوں پر بیٹھنا ، غلمانوں کا شراب پلانا اور ان کی بےفکری و خالص مسرت کے تماشے بھی اسی موقع پر دکھائے جاتے ہیں۔

حسین : اور یہ طیور کا نغمہ اور ان کا پھل توڑ توڑ کے لانا ؟

زمرد : یہ کون بڑی بات ہے۔ چند سدھائے ہوئے طیور چھوڑ دیے گئے ہیں جن کو پھلوں کے توڑ لانے اور بغیر بھڑکے ہوئے لوگوں کے سامنے رکھ کے

اُڑ جانے کی مشق کرا دی گئی ہے - اسی طرح یہاں کے طیور کو قرآن پاک کی یہ آیت بھی "سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین" یاد کرا دی گئی ہے جس کو ہر وقت رٹا کرتے ہیں -

حسین : بڑا گہرا فریب ہے ! بھلا کوئی کیوں کر سمجھ سکتا ہے - اور ہاں زمرد! جنت کے راز بتانے میں تو اپنی سرگزشت کہنا تو بھول ہی گئی؟

زمرد : میری مصیبت کیا پوچھتے ہو! میں ہی تھی جو ان سب آفتوں کو جھیل گئی - اور کوئی ہوتا تو اب تک خاک میں مل چکا ہوتا -

حسین : نہیں پیاری زمرد ! ایسی باتیں زبان سے نہ نکال ، میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے - خدا کا ہزار ہزار شکر کہ وہ سب مصیبتیں کٹ گئیں اور ہم اب پھر ایک دوسرے کے آغوش میں ہیں -

زمرد : اصل میں میں یہاں صرف ایک حور بنائے جانے کے لیے لائی گئی تھی - خورشاہ ، اس کے ہم راز اہل دربار اور یہاں کی تمام حوروں کو ہمیشہ کسی خوب صورت عورت کی جستجو رہتی ہے تاکہ اس کے حسن و جمال سے جنت میں زیادہ دل چسپی پیدا کریں - جب میں خور شاہ کے سامنے پیش کی گئی تو بد نصیبی سے اس کی نظر میں معمول سے زیادہ اور جنت کی تمام حوروں سے بڑھ کے خوب صورت ثابت ہوئی - اس نے ارادہ کیا کہ مجھے خالص اپنے لیے مخصوص کر لے - میں یہ خبر سن کے انتہا سے زیادہ پریشان ہوئی اور آخر دل میں فیصلہ کر لیا کہ

چاہے مار ڈالی جاؤں مگر اس بے عزتی کو نہ گوارا کروں گی - ابتدا میں مجھے طرح طرح کے لالچ دیے گئے۔ بتایا گیا کہ اس کی بی‌بی ہونے کے بعد تاج میرے سر پر رکھا جائے گا اور ایک عالی مرتبہ ملکہ بنوں گی ، مگر میں نے کسی طرح نہ منظور کیا۔ اور جب اسے میری رضامندی سے مایوسی ہوگئی تو وہ ظلم پر آمادہ ہوا اور طرح طرح کی تکلیفیں دی جانے لگیں - دو ڈھائی مہینے اسی حال میں گزر گئے کہ میں ہر وقت موت کا انتظار کرتی تھی -

معشوقۂ باوفا کی یہ مصیبت و وفا کیشی سن کے حسین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ٹھنڈی سانس لے کے کہنے لگا: ” زمرد ! میرے لیے تو نے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں -“

**زمرد** : یہ مصیبت نہ تھی بلکہ اسے میں راحت سمجھتی تھی ، اس لیے کہ بے عزتی اور آبرو ریزی سے بچی ہوئی تھی - اب خور شاہ ناکامی کے غصے سے میرے قتل پر آمادہ ہو گیا تھا ، لیکن اتفاقاً کسی دوست نے رائے دی کہ ایسے کام جن کو کسی کے دل میں محبت پیدا کرنے سے تعلق ہو ، ظلم و جور و زبردستیوں سے نہیں نکلتے ؛ بہتر یہ ہوگا کہ چند روز کے لیے زمرد کو جنت کے ایک محل میں چھوڑ دیجیے ؛ وہاں جب ایک عرصے تک راحت و عشرت میں رہے گی تو اپنے رنج و غم کو بھول جائے گی اور آخر جوانی کے جذبات غالب آ کے اسے خود ہی آپ کی معشوقہ بننے پر آمادہ کر دیں گے - یہ رائے اسے پسند آ گئی اور میں اس کے محل سے لا کے اس

جنت اور اسی قصر دری میں رکھ دی گئی ۔ یہ ایسا محفوظ مقام ہے کہ خورشاہ کے خیال میں بھی نہ تھا کہ یہاں کبھی پرندہ پر مار سکے گا ۔ باہر کا کوئی شخص یہاں آ نہ سکتا تھا اور جو معتقد بنانے کے لیے لائے بھی جاتے تھے تو ان کی ہر وقت نگرانی ہوتی تھی اور کوشش کی جاتی تھی کہ سوا ایک آدھ بات کر لینے کے میں ان سے زیادہ مل بھی نہ سکوں ۔ اوروں پر کیا منحصر ہے ، جب میں تم سے ملی ہوں، اس وقت بھی ان امور کی پوری نگرانی کی جاتی تھی اور مجال نہ تھی کہ سوا تمھارے بہلانے اور بہکانے کے میں تم سے ذرا بھی بے تکلف ہو سکوں ۔ اب مجھے ہر بات کا آرام تھا ۔ رات دن عیش و عشرت میں گزرتی تھی ، اور خور شاہ کے اشارے کے موافق یہاں کی تمام حوریں میری لونڈیاں بنی رہتیں اور ہر وقت میرا دل بہلانے کی کوشش کرتیں ۔ حسین یہ سب سامان مسرت موجود تھا مگر میرے دل کو کسی طرح چین نہ آتا ۔ تمھاری صورت ہر گھڑی آنکھوں کے سامنے رہتی اور طرح طرح کی تدبیریں سوچا کرتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے نکل بھاگوں ۔ انھیں دنوں تمھارے قتل کے بارے میں بھی مشورے ہوتے اور روز میرا لہو خشک ہوا کرتا ۔ ایک رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے ایک لق و دق میدان میں کھڑی ہوں ؛ ناگہاں سامنے سے تم نظر آئے اور مجھ سے ملنے کو بے تحاشا دوڑے ۔ یکا یک کسی شخص نے ایک درخت کی آڑ سے نکل کے تمھارے سینے

میں ایک چھری ماری ۔ تم وہ زخم کھاتے ہی سینہ پکڑ کے کھڑے ہو گئے اور میں بے اختیار روتی اور چیخیں مارتی تمھاری طرف دوڑی ۔ بس اسی حال میں چیختے چیختے میری آنکھ کھل گئی ۔ اب کہاں چین پڑ سکتا تھا ، باقی رات میں نے رو کے بسر کی ، اور صبح کو حیران و پریشان بیٹھی تھی کہ مرجان نام یہاں کی ایک حور جو مجھ سے کسی قدر مانوس ہو گئی تھی اور جس سے میں کبھی کبھی دو ایک باتیں کر لیا کرتی تھی ، میرے پاس آئی اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد بولی : "زمرد ! تم نے کچھ اور بھی سنا ؟ وہ نوجوان حسین جو تمھارے ساتھ تھا اب تک اسی وادی میں تمھاری قبر سے لپٹا بیٹھا ہے۔" اس موقع پر مجھے ضبط سے کام لینا چاہیے تھا مگر نہ رہا گیا ؛ بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لے کے بول اٹھی : "حسین اب تک وہیں ہیں؟"

**مرجان :** ہاں ، مگر اب یقین ہے کہ دو ہی ایک روز میں وہ مقام ان سے خالی ہو جائے گا ۔

میں نے گھبرا کے پوچھا : "کیوں؟"

**مرجان :** وہ مقام ہم لوگوں کی سیر گاہ ہے اور اسی سبب سے خورشاہ چاہتے ہیں کہ وہاں کوئی ایسا شخص نہ رہے جو ہمارا راز نہ جانتا ہو ۔ تمھارے ساتھی نوجوان کی نسبت پہلے تو یہ خیال تھا کہ جب بالکل مایوسی ہو جائے گی تو چلا جائے گا ، اور اسی غرض سے تمھاری قبر بنا دی گئی ہے ، پتھر پر تمھارا نام کندہ کردیا گیا کہ تمھارے مرنے کا اسے یقین

ہو جائے اور واپس جا کے اور لوگوں کو بھی ادھر آنے سے روکے ، مگر یہ تدبیر بے کار گئی - لہٰذا مجبور ہو کے اب یہ تجویز قرار پائی ہے کہ جس طرح بنے اس کا کام تمام کر دیا جائے -" حسین ! میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ جملہ سنتے ہی میرے دل کی کیا حالت ہوئی - گھبرا کے اور بالکل بے اختیاری کے ساتھ کہہ اٹھی : "تو پھر مجھے بھی مار ڈالو -" میری بدحواسی دیکھ کے مرجان بولی : "اگر اس کو بچانا چاہتی ہو تو ایک کام کرو ؛ خور شاہ کے سامنے چل کے خود اپنی زبان سے سفارش کرو -" یہ ایسی بات تھی کہ جس کو میں ہرگز نہ مانتی مگر فقط اتنے خیال سے کہ تمھاری جان بچتی ہے طوعاً و کرہاً گئی - اور جب اس نے مسکرا کے مجھ سے کچھ بات کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے آہ و زاری کے ساتھ کہا : "خدا کے لیے اس نوجوان کی جان نہ لیجیے جو میری یاد میں پڑا رو رہا ہے -" میری درخواست سنتے ہی اس نے نہایت متین صورت بنائی - مجھے بہت گھور کے اور غصے کی نگاہ سے دیکھا ، اس لیے کہ میرے تمھارے تعلقات نے اس کے دل کو بڑا صدمہ پہنچایا اور نہایت ہی برہمی کی آواز میں پوچھنے لگا : "وہ تمھارا کون ہے ؟"

**میں :** وہ میرا عزیز ہے - اسی کے ساتھ کھیل کود کے اور اسی کے ساتھ پڑھ لکھ کے میں بڑی ہوئی ہوں اور اسی سے میری شادی ہونے والی ہے - اس سبب سے اکیلا وہی میری جان و مال کا مالک ہے -

**خور شاہ :** تمھاری شادی ابھی اس کے ساتھ نہیں ہوئی ؟

میں نے نظر نیچی کرکے جواب دیا : "نہیں !"
یہ جواب سن کے خورشاہ نے مجھے بدگمانی کی متجسس نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا : " مگر شادی سے پہلے ہی تمھارے اس کے ایسے تعلقات ہوگئے کہ گھر بار چھوڑ کے ساتھ نکل کھڑی ہوئیں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ تمھاری عفت میں داغ لگ گیا ؟"
اس کا جواب دیتے وقت مجھے بے انتہا شرم معلوم ہوئی ۔ کسی طرح کوئی لفظ میری زبان سے نہ نکلتا تھا مگر صرف اپنی اور تمھاری جان بچانے کی غرض سے میں نے دل کڑا کرکے اور بےحیائی گوارا کرکے جواب دیا : "میں ایک تو اپنے بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کو اور دوسرے حج کے لیے گھر سے نکلی تھی ، مگر ہاں یہ البتہ ارادہ تھا کہ قزوین پہنچ کے عقد کر لوں گی ۔"
**خورشاہ :** نکاح کی رسم تو خیر قزوین میں ادا ہوتی مگر غالباً تم میں اُس میں میاں بی‌بی کے تعلقات پہلے ہی قائم ہوچکے تھے ؟
اس سوال پر میں اس قدر شرمائی کہ سارا جسم پسینے پسینے ہو گیا اور نظر نیچی کرکے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شرم کے مارے آنکھیں بند کرکے جواب دیا : "نہیں میری عصمت میں فرق نہیں آیا ۔"
اتنا سنتے ہی خورشاہ ایک بے اختیاری کے جوش سے یہ کہتا ہوا میری طرف دوڑا : "شکر ہے کہ میری نازنین کے پاک جسم کو ابھی کسی کا ہاتھ نہیں لگا !" قریب تھا کہ وہ مجھے گلے لگا لے مگر میں نے دونوں ہاتھوں سے الگ ہی روکا اور اس کے ہاتھ سے بچنے کے لیے پاؤں کے پاس زمین پر گر کے کہنے لگی : "اس نوجوان کی

جان نہ لیجیے ورنہ میں بے موت مر جاؤں گی ۔" خورشاہ دیر تک سوچتا رہا ، پھر مجھے اُٹھا کے بولا : "زمرد ! یہ بہت ضروری ہے کہ وہ وادی اس ضدی شخص سے خالی کی جائے ۔"

**میں** : آہ ! میں نے اسے وصیت کر دی تھی کہ مر جاؤں تو گھر جا کے عزیزوں کو میری عفت و پاک دامنی کا یقین دلاؤ ، مگر افسوس اس نے نہ مانا !"

یہ سنتے ہی خورشاہ چونک پڑا اور بولا: "کیا تم نے اسے گھر جانے کی وصیت کی تھی ؟"

**میں** : جی ہاں ، وصیت کیسی ، بہت تاکید اور اصرار سے کہا تھا ۔

**خور شاہ** : تو خیر کوئی مضائقہ نہیں ۔ ایک نہایت عمدہ تدبیر ہے ۔ وہ وادی بھی اس سے خالی ہوجائے گی اور اسے کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچے گا ۔ مگر زمرد ! یہ صرف تمھاری نظر محبت کی امید پر منحصر ہے ۔

اس کے جواب میں کچھ کہنا مجھے بالکل بے موقع معلوم ہوا ، خاموش کھڑی رہی ۔ اور خور شاہ نے قلم دوات منگوا کے ایک خط کا مسودہ لکھا اور اسے میری طرف بڑھا کے کہا: "اسے تم اپنے ہاتھ سے صاف کر دو ۔" میں نے اسے وہیں اس کے سامنے ہی بیٹھ کے صاف کر دیا اور واپس نہیں آنے پائی تھی کہ ایک دودھ لانے والے دہقانی کو بلوا کے خورشاہ نے وہ خط اس کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ تمھاری غفلت میں قبر پر رکھوا دیا جائے ۔ یہ میرا پہلا خط تھا ۔ میں اس کا حال پہلے بھی بیان کر چکی ہوں ، مگر پھر کہتی ہوں کہ

کیسے کیسے مظالم ہوئے ہیں اور کیسی کیسی مجبوریاں پیش آئی ہیں جب میں نے تم کو وہ خط لکھا ہے۔ اس خط کے روانہ ہو چکنے کے بعد جب میں جنت میں واپس آئی تو انتہا سے زیادہ حیران تھی۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب مجھ سے مایوس ہو کے تم گھر چلے جاؤ گے۔ روز اسی ادھیڑ بن میں رہتی تھی کہ تمھاری زبان سے میری موت کا قصہ سن کے اماں اور ابا کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ کئی ہفتے اسی حالت میں گزر گئے۔ وہ حور جس کا نام مرجان تھا، روز میرے پاس آتی اور ہمیشہ ہمدردی ظاہر کرتی، مگر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خورشاہ کی سکھائی پڑھائی تھی اور اس سے روز جا جا کے کہہ دیا کرتی تھی کہ میں تمھارے لیے کس قدر حیران رہتی ہوں۔ ایک دن اس نے باتوں باتوں میں پوچھا: "زمرد! تمھارا مکان آمل میں ہے؟" میں چونک کے بولی "ہاں! کیوں؟"

**مرجان** : وہیں کے ایک زبردست عالم، جو فی الحال نیشاپور میں رہتے ہیں، لوگوں کو ہمارے خلاف بھکا رہے ہیں اور اس جنت کو فریب بتاتے ہیں۔

**میں** : کون؟ امام نجم الدین نیشاپوری تو نہیں؟

**مرجان** : ہاں ہاں وہی۔ ان کے قتل کی تجویز ہو رہی ہے۔

**میں** : (چونک کر) ہائے یہ تو بڑا ظلم ہوگا! وہ بڑے باخدا عالم ہیں۔ حسین کے استاد ہیں اور انھیں کے وہ مرید بھی ہیں۔

**مرجان** : (تعجب سے) حسین ان کے شاگرد اور مرید ہیں؟

میں : اتنا ہی نہیں ، ان کے بھتیجے بھی ہیں ۔
اس کے بعد میں دل میں افسوس کرتی رہی کہ یہ ظالم نا حق ایک باخدا شخص کی جان لیتے ہیں ۔ اور انھیں خیالات کی وجہ سے میں نے رات کو کئی پریشان اور مہیب خواب دیکھے ۔ دوسرے دن اٹھ کے بیٹھی ہی تھی ، اور آفتاب اچھی طرح بلند نہیں ہونے پایا تھا کہ مرجان آئی اور کہنے لگی : "چلو زمرد! تمھیں خورشاہ نے بلایا ہے ۔"

میں : (پریشانی کی صورت بنا کے) کیوں ؟

مرجان : یہ میں کیا جانوں ، مگر اسی وقت چلو ۔ مجبوراً میں اس کے ساتھ گئی ۔ وہاں جا کے دیکھا تو ایک خوب صورت لڑکی کے ہاتھ سے لے لے کے جام شراب پی رہا تھا ۔ میری صورت دیکھتے ہی بولا : "زمرد! تم کسی طرح حسین کے خیال کو نہیں چھوڑتیں ۔ اگر میری آرزو پوری کرنے کا اقرار کرو تو تمھیں اس سے ملا دینے کا بھی وعدہ کرتا ہوں ۔" یہ الفاظ سنتے ہی میرے دل میں ایک خفیف سی مسرت پیدا ہوئی مگر اس کی شرط بالکل ایسی تھی جیسے شربت کے جام میں زہر ملا ہو ۔ تاہم میں نے اور کسی خیال کو دل ہی دل میں دبا کے کہا: "اگر آپ کے رحم نے مجھے ان سے ملا دیا تو زندگی بھر لونڈی رہوں گی ۔" میرے اس جواب سے وہ خوش ہوا اور فوراً ایک دوسرے خط کا مسودہ دے کے کہا : " اس کو اپنے قلم سے صاف کردو ۔" میں نے مسودہ ہاتھ میں لے کے قبل اس کے کہ پڑھا ہو خورشاہ کی طرف دیکھ کے پوچھا : "اب

تو حسین اس وادی سے چلے گئے ہوں گے؟"

**خورشاہ** : نہیں ، اس نے تمہارے پہلے خط کی ذرا بھی پروا نہ کی ۔ اسی طرح قبر کا مجاور بنا بیٹھا ہے ۔ تم اسے اپنا باوفا اور سچا عاشق سمجھتی تھیں مگر وہ تمہاری پروا بھی نہیں کرتا ۔ اس دل کش وادی میں اس کا ایسا دل لگ گیا کہ اب تمہارے حکم کو بھی نہیں مانتا ۔

**میں** : نہیں، وہ ویسے ہی باوفا ہیں جیسا کہ میں سمجھتی ہوں ۔ جس طرح میری جدائی نہ گوارا تھی، اسی طرح اب انھیں میری قبر کی مفارقت بھی نہ گوارا ہو گی ۔

**حسین** : (جوش میں آ کر) بے شک زمرد ! صرف اسی خیال سے میں نے تیرا پہلا حکم نہیں مانا ۔

**زمرد** : خیر ، میری زبان سے یہ باتیں سن کے اس نے ایک حیرت کے ساتھ مجھے گھور کے دیکھا اور کسی قدر پست آواز میں بولا : "یہ مسودہ جلدی صاف کر دو کہ وہ تم سے ملنے کا سامان کرے ۔" مجھے اس مسودے کے پڑھتے ہی حیرت ہو گئی ۔ پڑھتی جاتی تھی اور دل میں کہتی جاتی تھی کہ یہ لوگ کس قدر مکار اور فریبی ہیں ۔ بہر حال میں نے خط صاف کر کے دیا اور چلی آئی ۔ دوسرے دن مجھے مرجان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ خط تمہارے پاس بھیج دیا گیا ۔ اور اس سے غرض یہ تھی کہ تمھیں شیخ علی وجودی کا معتقد بنا کے انھیں کے ذریعے سے امام نجم الدین نیشاپوری تمہارے ہاتھ سے قتل کرائے جائیں ۔ اس کے صلے میں تم جنت کی سیر کرو اور مجھے تم سے ملنے کا موقع ملے ۔ حسین ! کیا کہوں کہ یہ حال معلوم ہوتے ہی

میں نے اپنے اوپر کتنی لعنت و ملامت کی ہے - میں دل میں ڈرتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو میری وجہ سے تم ان کے خون میں اپنے ہاتھ رنگ لو - دعا کرتی تھی کہ خدا کرے پہلے خط کی طرح تم اس خط پر بھی عمل نہ کرو - مگر جب معلوم ہوا کہ یہاں کے بھیجے ہوئے گدھے پر سوار ہو کے تم روانہ ہو گئے تو دل میں اور ڈری اور دعا کرنے لگی کہ خداوندا! حسین کو اس گناہ سے بچا! مگر مدت کے بعد جب معلوم ہوا کہ اب دو ہی تین دن میں تم جنت میں آیا چاہتے ہو تو مجھے یقین ہو گیا کہ تم ان ظالموں کے پھندے میں پھنس گئے - جب تم اس وادی کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہاں کی حوریں پھر اکثر اوقات سیر و تفریح کی غرض سے وہاں جانے لگیں - جن کے ساتھ خورشاہ کی اجازت سے کبھی کبھی میں بھی چلی جاتی تھی ، اور اپنی قبر کو دیکھ کے تمھارے خیال سے اکثر دل ہی دل میں روتی - جب تم جنت میں آئے ہو اس سے پہلے ہی مجھے بتا دیا گیا تھا کہ تم سے کیوں کر ملوں ، کس قسم کی باتیں کروں اور تمھارے اعتقاد کو کس طرح بڑھاؤں - تاکید تھی کہ اگر اس کے ذرا بھی خلاف ہوا اور ذرا سا بھی راز تم پر ظاہر ہو گیا تو پہلے تم مار ڈالے جاؤ گے پھر میں - ہر وقت یہاں میری اور تمھاری نگرانی ہوتی رہتی تھی اور مجھے تم سے ایک لفظ کے کہنے کا بھی موقع نہ ملتا تھا - اس کے علاوہ مجھے تمھاری یہ حالت نظر آئی کہ جیسے تم پر کوئی سخت جادو چلا ہوا تھا اور اپنے ہر نیک و بد

سے بے خبر تھے - ایسی حالت میں اس کی بھی امید نہ تھی کہ تم سے کچھ کہوں گی تو تم اسے ضبط کر کے چھپا سکو گے - اسی خیال سے میں نے کچھ نہ کہا - تاہم موقع پا کے اتنا بتا دیا کہ نا امیدی کی حالت میں میری قبر پر آنا ، اور آخر اسی تدبیر سے خدا نے کامیاب کیا - مگر حسین! میں نے تمھارے لیے خورشاہ کے ہاتھ سے بڑے بڑے ظلم اٹھائے - برائے نام اس جنت میں تھی - تمھارے جانے کے بعد اور زیادہ سختیاں ہوئیں اور اب خور شاہ کو خیال ہو چلا تھا کہ میں کبھی اس کے موافق نہ ہوں گی ، مگر لوگوں کے کہنے سننے اور اس کے دلی میلان کا نتیجہ تھا کہ اس وقت تک زندہ ہوں -

**حسین** : (زمرد کو گلے لگا کے) غنیمت ہے کہ اتنی مصیبتوں کے بعد ہم پھر مل گئے- مگر اب مجھے ضرور ہے کہ ان ظالموں سے ان باتوں کا انتقام بھی لے لوں - جب تک انتقام نہ لوں گا کبھی آرام سے بیٹھنا نہ نصیب ہو گا - میرے گناہوں کا کفارہ یہی ہے کہ دنیا کو خور شاہ ، علی وجودی اور طور معنی کی نجاست سے پاک کروں - جس طرح ابھی تک ان لوگوں کا فدائی تھا ، اب دین کا سچا فدائی بنوں گا - ہرایک کے مستقر پر جاؤں گا اور اسی طرح فریب و مکر سے ان لوگوں کو جنت کے بہانے دوزخ میں بھیجوں گا -

**زمرد** : تمھیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ، فی الحال عید قائم قیامت ہے ؛ یہ سب لوگ یہیں آئے ہوئے ہیں ، اسی قلعے میں موجود ہیں ، اور ان کی سزا دہی کا بھی

پورا انتظام ہو گیا ہے۔ آج ہی شام تک تمھیں موقع مل جائے گا کہ شاہزادی بلغان خاتون کے ساتھ خور شاہ کے محل اور قلعے میں گھس کے ایک ہی وقت میں تینوں شخصوں کا کام تمام کر دو۔

**حسین** : زمرد! تجھے یہاں کے سب حالات کیوں کر معلوم ہو گئے؟

**زمرد** : حوروں اور جنت والوں سے کوئی راز چھپا تھوڑا ہی ہے۔ مرجان کی طرح یہاں کی بعض حوریں خورشاہ کے محل میں جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک آدھ ہر وقت اس کی صحبت میں موجود رہتی ہے۔ یہ حوریں جب واپس آتی ہیں تو جو دیکھتی سنتی ہیں دوسروں سے کہہ دیتی ہیں۔ اس طرح تھوڑی ہی دیر میں ہر بات سب میں مشہور ہو جاتی تھی، اور کسی نہ کسی ذریعے سے میں بھی سن لیتی تھی۔ اور ہاں حسین! یہ تو بتاؤ کہ شاہزادی کے ساتھ کتنی فوج ہے؟

**حسین** : فوج! تھوڑے سے جوان ہوں گے۔

ناگہاں ایک شور و ہنگامے کی آواز بلند ہوئی۔ دونوں گھبرا کے محل سے باہر نکل آئے اور ہزارہا سپاہیوں کا عظیم الشان لشکر دیکھ کے اس محل کی طرف دوڑے جس میں شاہزادی بلغان خاتون آرام کر رہی تھی۔

نواں باب

# انتقام

حسین اور زمرد نے اپنے قصر دری سے نکل کے دیکھا تو عجب عالم نظر آیا ۔ جنت کے آرام و اطمینان میں فرق آ گیا تھا اور معلوم ہوتا تھا گویا فردوس بریں میں قیامت آ گئی ۔ خوب‌رو اور پری چہرہ حور و غلمان جو اپنے حسن و جمال سے ہر ایک کو نورانی پیکر ہونے کا دھوکا دیتے تھے قصروں اور کوشکوں سے نکل نکل کے بدحواس بھاگے اور ایک دوسرے کی آڑ میں چھپنے لگے ۔ ہر طرف ایک تہلکہ پڑ گیا ۔ جہاں رونا حرام بتایا جاتا تھا وہیں ہر طرف رونے پیٹنے اور نوحہ و بکا کی آواز بلند ہوئی ۔ ایک عظیم‌الشان اور بڑا بھاری تاتاری لشکر جنت میں داخل ہو گیا تھا جس کے سپاہی ہر چہار طرف پھیلتے جاتے تھے قصروں اور کوشکوں میں لوٹ مار مچ گئی تھی ۔ خوبصورت لڑکیاں اور پری جمال لڑکے گرفتار ہو رہے تھے ۔ جن کی سہمی ہوئی صورتوں ، چیخ و پکار کی آوازوں نے عجب نازک گھڑی کا سماں پیدا کر رکھا تھا ۔

یہ وحشت انگیز اور بدحواس کرنے والا سماں دیکھتے ہی زمرد اور حسین دوڑتے ہوئے اس قصر میں پہنچے جہاں شاہزادی آرام کر رہی تھی ۔ زمرد شہزادی کی آرام گاہ کے

قریب پہنچ کے دستک دینے ہی کو تھی کہ ایک وحشی و غارت گر تاتاری اس کی صورت دیکھ کے جھپٹ پڑا۔ قریب تھا کہ اور سب حوروں کی طرح وہ بھی گرفتار ہو جائے مگر حسین سے یہ دیکھ کے رہا نہ گیا؛ اور کوئی ہتھیار تو پاس نہ تھا، وہی اپنا فدائیت کا خنجر لے کے دوڑا۔ قریب تھا کہ اس میں اور تاتاری میں لڑائی ہو جائے کہ ناگہاں کمرے کا دروازہ کھلا اور خوبصورت شاہزادی بلغان خاتون اپنے بکھرے ہوئے اور لٹکتے بالوں کے ساتھ لباس کے لمبے لمبے دامنوں کو زمین پر لٹاتی ہوئی نکلی اور تاتاری زبان میں چلا کے بولی: "ٹھہرو!" شاہزادی کی صورت دیکھتے ہی تاتاری دوڑ کے اس کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا: "ہم حضور کی تلاش میں تھے۔"

**شاہزادی:** تم میرے ساتھ والوں میں سے ہو؟

**تاتاری:** نہیں!

**شاہزادی:** (خوش ہو کے) تو بھائی آگئے؟

**تاتاری:** جی ہاں۔

ناگہاں تاتاریوں کا ایک بڑا بھاری غول نظر آیا، جن کے درمیان میں خود ہلاکو خاں بھی موجود تھا۔ شمشیر برہنہ اس کے ہاتھ میں تھی۔ عمامے میں کلغی لگی تھی، جس پر مغلئی نیزے اور تاتاری بیرقیں سایہ کیے ہوئے تھیں۔ اس شان سے اس کے شاہی خاندان میں ہونے اور نیز تمام فوج کے سردار ہونے کا پورا پتا چلتا تھا۔ ہلاکو خاں کو آتے دیکھ کے بلغان خاتون کمرے سے نکل کے استقبال کو دوڑی۔ بہن بھائی جوش و خروش اور گرم جوشی سے ملے۔ وحشی اور غارت گر جوانوں نے ایک گھڑی کے لیے مہذب بن کے اور مرتب ہو کے اپنی حسین و نازنین شاہ زادی کو سلام کیا اور ہر طرف سے

پھر چلنا ۔ تم ابھی منزل مارے اور تھکے ماندے چلے آتے ہو ۔

**ہلاکو خاں :** (ہنس کے) ہمارا آرام اسی میں ہے کہ جوہر شجاعت دکھانے کو کوئی اچھا میدان جنگ ملے ۔ جب تک فتح نہ حاصل ہولے اس وقت تک کوئی چیز ہماری تھکن کو نہیں مٹا سکتی ۔ ہاں تمھارے تھکنے کا البتہ مجھے لحاظ ہوتا ، مگر تم مجھ سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھیں اور اچھی طرح سستا چکی ہو ، لہٰذا اب کسی بات کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ۔

**حسین :** ( جوش و خروش سے قدم آگے بڑھا کے ) حضور! بے شک انتظار نہ کرنا چاہیے۔ مجھے ان لوگوں نے اتنا بڑا فریب دیا ہے ، اور میرے ہاتھ سے ایسے ایسے گناہ کرائے ہیں کہ جب تک اُن میں سے خاص تین شخصوں کی جان نہ لے لوں گا ، چین نہ پڑے گا ۔ ہر وقت میرے دل سے انتقام کی آواز نکلتی ہے اور پریشان ہو جاتا ہوں ۔

**ہلاکو خاں :** (مسکرا کے) ہاں ذرا بیان تو کرو کہ تمھیں کیوں کر فریب دیا گیا تھا ؟

شاہی حکم کی تعمیل میں حسین نے اپنی ساری سرگزشت مختصر الفاظ میں بیان کی اور آخر میں آبدیدہ ہو کے کہنے لگا : ”افسوس ! زمرد کی محبت کے نام سے مجھے اتنے بڑے اور ایسے ایسے فریب دے گئے ہیں کہ جب تک زندہ ہوں اپنے اوپر لعنت کرتا رہوں گا ۔“

**ہلاکو خاں :** (حیرت سے) عجب ! واقعی ان لوگوں نے دنیا پر ریاکاری و مکاری کا عجیب جال ڈال رکھا تھا ۔ اب اس

قلعے کی فتح کے بعد میرا ارادہ ہے کہ ملاحدہ کی نجاست سے ساری دنیا کو پاک کر دوں ۔

**حسین :** اگر ایسا ہوا تو خدا آپ سے بہت خوش ہوگا ، اور دنیا ہمیشہ کے لیے آپ کے مبارک اسلحہ کی ممنونِ احسان رہے گی ۔

**ہلاکو خاں :** تو چلو، اب تاخیر میں نقصان ہے ۔ ہماری فوج جو قلعے کے گرد اتری ہوئی ہے ، متردد و پریشان ہوگی ۔

**زمرد :** یہ کام میرے ذمے ہے ۔ حضور! آپ کی اس لونڈی کے سوا کوئی اس راستے سے واقف نہیں ہے ۔ مگر اپنے ہمراہیوں کو حکم دے دیجیے کہ جب تک محل کے اندر نہ داخل ہو لیں ، نہایت خموشی سے چلیں ۔ کہیں پہلے سے خبر ہوگئی تو محل‌سرا کا پھاٹک بند کر لیا جائے گا اور پھر قلعے کی طرف نکل جانے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں گی ۔

زمرد کی ہدایت کے مطابق ہلاکو خاں نے اپنے تمام ساتھیوں کو ساکت و صامت رہنے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھانے کا حکم دے دیا ۔ وہ پانچ سو تاتاری جو قراقرم سے شاہزادی کے ہمراہ آئے تھے اور اب اس پانچ ہزار فوج کے بعد وہ بھی جنت کے اندر داخل ہوگئے تھے ، یہیں جنت میں چھوڑ دیے گئے تاکہ اسیر شدہ حور و غلمان کی محافظت کریں ۔ اور ہلاکو خاں التمونت کے قصر شاہی کی طرف اس شان سے روانہ ہوا کہ آگے آگے تو حسین تھا ۔ اُسے اب کسی تاتاری جوان سے ایک تلوار مل گئی تھی جسے وہ غضب اور انتقام کے ارادے سے علم کیے ہوئے تھا ۔ اس کے پیچھے خود ہلاکو خاں جس کے داہنی جانب بلغان خاتون تھی اور بائیں طرف زمرد اور ان کے

پیچھے پانچ ہزار تاتاریوں کا غول تھا جو باوجود اژدحام اور جوش و خروش کے نہایت ہی سکوت و متانت کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا۔

نہر ویرنجان کے اس طرف کے تمام چمن اور دل‌کش قطعات باغ طے کرکے یہ پُر سطوت گروہ سنہرے پل پر پہنچا۔ زمرد نے بڑھ کے پل کا قفل کھولا اس لیے کہ اس نے آج صبح ہی کو راستہ روکنے کے لیے اس پل میں قفل ڈال دیا تھا۔ پل کا پھاٹک کھلتے ہی سب لوگ نہر سے اتر کے اُدھر کے پرفضا اور دل‌کش مرغزار میں داخل ہوئے اور زمرد کے بتانے کے موافق ایک خوش نما و خوش سواد راستے سے گزر کے بڑے بڑے سایہ دار درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچے۔ انھیں درختوں کے گھونگھٹ میں رکن الدین خورشاہ کی محل سرا کا خوب صورت چہرہ (دروازہ) چھپا ہوا تھا۔ دروازے کی صورت دیکھتے ہی یہ لوگ دوڑ کے اندر گھس پڑے اور قبل اس کے کہ کسی کو خبر ہو، ایک طولانی ڈیوڑھی کو قطع کرکے خوش نما اور نزہت بخش خانہ باغ میں جا پہنچے، جو اپنی شادابی و دل‌کشی میں التمونت کی جنت سے کم نہ تھا۔

ان غیر خلل اندازوں کی صورت دیکھتے ہی چند سپاہی جو پہرے پر متعین تھے، اپنے اسلحہ لے لے کے دوڑے، مگر جب دیکھا کہ تاتاریوں کا ایک لشکر ہے تو بد حواس بھاگنے لگے دو چار تو مارے گئے اور بقیۃ السیف نے بھاگ کے سارے محل اور قلعے میں ہلچل ڈال دی۔ قلعے میں مذہبی عید کی رسمیں بجا لائی جا رہی تھیں اور بیرونی اور نیز یہاں کے لوگوں کا ایک بڑا بھاری مجمع تھا۔ اگر حواس سے کام لیا جاتا تو ممکن تھا کہ ایک معرکے کی لڑائی ہوتی، مگر تاتاریوں کی

ہیبت ان دنوں ساری دنیا میں بیٹھی ہوئی تھی ۔ ان کے قلعے میں داخل ہو جانے کا نام سنتے ہی سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔ خود خورشاہ جو کھڑا خطبہ پڑھ رہا تھا ، منبر سے اُتر کے بدحواس بھاگا کہ کسی کونے میں جا چھپے ، مگر جانے نہ پاتا تھا ، اس لیے کہ محل کی نازک اندام و پری جمال عورتیں برہنہ سر اور برہنہ پا بھاگ بھاگ کے آتی تھیں اور قدم قدم پر اس کے دامن سے لپٹ کے پناہ مانگتی تھیں ۔ اس وقت تک یہاں اس کی خبر نہ تھی کہ قلعے کے گرد بھی ایک بڑا بھاری اور عظیم الشان تاتاری لشکر محاصرہ کیے ہوئے ہے ۔ بادشاہ اور معتقدوں کو بدحواس دیکھ کے تمام سپاہی اور اہل قلعہ ، داعی اور فدائی قلعے کے پھاٹک کھول کے بزدلی سے اور خوف کی آوازیں بلند کرتے ہوئے باہر نکلے جن کے نکلتے ہی قلعے کے اندر مغلئی طبل و قرنا بجے اور تاتاریوں کے باہر والے لشکر نے اپنے قومی باجوں کی آواز سنتے ہی خود اپنا طبل بجایا اور فوراً حملہ کر دیا ۔ بھاگ کے باہر جانے والے ، تاتاری لشکر کے متلاطم سمندر کو ایک طوفان کی طرح اپنی طرف آتے دیکھ کے نہایت ہی از خود رفتگی کے ساتھ اُلٹے پھرے ، جن کا طولی خاں کے لشکر نے بڑی پھرتی سے تعاقب کیا اور باہر کے مغلئی جاں باز اُن کو قتل کرتے ہوئے قلعے کے اندر گھس پڑے ۔

اب قلعے کے اندر سخت طوفان بپا تھا ۔ ہر طرف قتل عام کا سماں نظر آ رہا تھا ۔ بوڑھے ، بچے ، زن و مرد ، اہل حرفہ اور سپاہی سب بلا استثنا و امتیاز قتل ہو رہے تھے ۔ ایک عجب ہنگامہ تھا جس میں تیر اور نیزے ، تلوار اور چھری اور گرز اور تبر کی ہوش ربا آوازوں کے ساتھ تاتاری لٹیروں کی وحشت ناک چیخیں ، عورتوں اور بچوں کی آہ و زاری اور رونے

پیٹنے کی آوازیں ایک ساتھ سنی جاتی تھیں ۔

ہلاکو خان اور بلغان خاتون کے ہمراہی خورشاہ کے محل کے ایک ایک کمرے اور دالان میں گھس گھس کے خوف زدہ عورتوں اور مردوں ، بوڑھوں اور بچوں کو نکال نکال کے ہنکاتے ہوئے اس بڑے میدان میں لائے جہاں ابھی چند منٹ پہلے عید کا جشن ہو رہا تھا اور عیش و مسرت کے پر جوش نعرے بلند تھے۔ دوسری طرف سے باہر بھاگنے والوں کو طولی خان کے ہمراہیوں نے نہایت ہی بدحواسی کے ساتھ بھگا بھگا کے اندر کیا ۔ اور وہ بھی اسی میدان میں آ کے اپنے مظلوم و پریشان حال دوستوں سے اندھوں کی طرح ٹکرانے لگے۔کسی کو اپنے پرائے کا ہوش نہ تھا ۔ ہر شخص کے حواس غائب تھے اور جو دوست دشمن میں سے کسی کو پاتا مجنونوں یا ڈوبنے والوں کی طرح اس کے دامن سے لپٹ کے پناہ مانگتا ۔ یہ دل خراش سین زمرد کے دل پر نہایت ہی اثر کر رہا تھا ۔ وہ ان لوگوں کی بے کسی دیکھ دیکھ کے رو اُٹھتی تھی ۔ کئی مرتبہ قلعے کی بعض ستم زدہ عورتوں کے ساتھ اس کی زبان سے بھی چیخ کی آواز نکل گئی ۔ زمرد کی پریشانی دیکھ کے بلغان خاتون اُس کے قریب آئی اور کہنے لگی :

”زمرد! میں نہ جانتی تھی کہ تمھارا دل اس قدر کمزور ہے، ورنہ تم کو یہاں نہ لاتی۔“

**زمرد :** (رو کے) شاہزادی ! یہ سب میرا کیا ہوا ہے ۔ ہر خون کا قطرہ جو اس وقت قلعے میں گر رہا ہے اور گرے گا ، اس کے گناہ میں میرا نام بھی لکھا جائے گا اور ممکن نہیں کہ اس کے انتقام سے میں بچ سکوں ۔

**بلغان خاتون :** یہ صرف تمھارے دل کا بودا پن ہے ، ورنہ ان لوگوں کا قتل کرنا گناہ نہیں ۔ ذرا یہ تو خیال کرو

کہ اس وقت ہم کیسے کیسے مقدس بزرگوں اور نامور لوگوں کا بدلہ لے رہے ہیں - جتنے لوگ یہاں مارے جائیں گے ، ان سے زیادہ روحیں اس وقت خوش ہو رہی ہوں گی اور ہمارے لیے خدا سے مغفرت کی خواستگار ہوں گی -

**زمرد :** (ہچکیاں لے لے کے) جو کچھ ہو ، مگر شاہزادی مجھ سے یہ ظلم و جور نہیں دیکھا جاتا -

**بلغان خاتون :** جب یہ ظلم و جور دل پر اثر کرے تو ان مظالم کو یاد کرلو جو ان ظالموں کے ہاتھ سے دنیا پر ہوتے رہے ہیں -

تھوڑی ہی دیر میں قلعے کی نصف سے زیادہ آبادی قتل ہوگئی - لاشیں ہر طرف تڑپ رہی تھیں - ہر طرف سے پھڑکتی ہوئی آ آ کے ایک ایک مقام پر بہت سی جمع ہوجاتیں ، اور ایک دوسری کو اپنے خون میں رنگتی ، اور باہم لپٹ لپٹ کے اچھلتی تھیں ؛ مگر قاتلوں کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا - وہ برابر نئے بے سر دھڑوں کو گرا گرا کے انھیں تڑپتی ہوئی لاشوں کے تودوں کی طرف بھیج رہے تھے -

اب ہلاکو خاں اسی منبر پر جا کھڑا ہوا تھا جس پر سے خورشاہ خطبے کو ناتمام چھوڑ کے آترا تھا - برہنہ و خون آلود تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور اس کی بہن شہزادی بلغان خاتون منبر کے نیچے اس کے قریب ہی کھڑی تھی - حسین اگرچہ فوجی آدمی نہ تھا مگر اُسے انتقام کا پورا موقع ملا تھا اور دل کی آگ ملاحدہ کے قتل کی پیاس کو تیز کر رہی تھی - تاتاریوں کی بھیڑ میں گھس گھس کے وہ ان خاص لوگوں کو ڈھونڈتا پھرتا تھا جنھیں اس نے پہلے سے اپنا شکار تجویز کرلیا تھا - ناگہاں

ایک شخص دوڑ کے اس کے دامن سے لپٹ گیا اور اُس کے منہ سے آواز نکلی : "حسین ، مجھے بچا ! میں جانتا ہوں کہ تو شجرِ معرفت کی ایک شاخ ہے -" حسین سمجھ گیا کہ کاظم جنونی ہے - دل میں آئی کہ ایک ہی وار میں اُس کا سر اُڑا دے مگر خود ہی سوچا کہ اس سے طور معنی اور علی وجودی کا پتا لگ جائے گا - یہ خیال آتے ہی اس نے ذرا دوستی کی شان سے کاظم جنونی کے کان کی طرف جھک کے پوچھا : "اور طورمعنی کہاں ہیں؟"

کاظم جنونی نے یہ الفاظ سنتے ہی سر اٹھا کے چاروں طرف دیکھا اور ایک شکستہ حال بڈھے کی طرف جو کئی آدمیوں کے درمیان میں زمین پر ننگے سر بیٹھا تھا ، اشارہ کیا ، اور پھر زمین پر گر کے کہنے لگا : "اے شجر معرفت ! مجھے پناہ دے !" حسین نے غضب آلود تیوروں سے اُس کی اس ذلیل خوشامد کو دیکھا اور یہ کہہ کے کہ "تجھ سے ذلیل فریبی کے لیے پناہ نہیں ہے" اس کا سر اُڑا دیا - کاظم جنونی کو تڑپتا چھوڑ کے وہ اس بڈھے کی طرف گیا اور دیر میں پہچان سکا کہ طور معنی وہی ہے - حسین نے اس مجمع کے اندر ہاتھ ڈال کے اُسے باہر کھینچا اور کہا : "آج تو میں نے وہ ستر ہزار حجاب خود ہی چاک کر ڈالے اور نور سینا کو بے حجاب دیکھ رہا ہوں -" یہ جملہ سنتے ہی طورمعنی نے حیرت و استعجاب سے حسین کی طرف دیکھا اور کہا : "اے نوجوان ! تو کون ہے کہ رمز حقیقت سے آگاہ معلوم ہوتا ہے ؟"

**حسین :** ہاں خوب آگاہ ہوں ، مگر آپ نے شاید مجھے نہیں پہچانا ؟

**طورمعنی:** نہیں ، بالکل نہیں -

یہ جواب سنتے ہی غصے میں آ کے حسین نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا : ”یا تو وہ کشف تھا کہ بغیر اس کے کہ میری صورت دیکھے اور میری آواز سنے تو نے کہا تھا : ”اے نوجوان آملی مرحبا !“ یا آج مجھے دیکھ کے بھی نہیں پہچان سکتا ؟ تیری سب سازشیں کھل گئیں اور معلوم ہو گیا کہ تو کتنا بڑا مکار و بدمعاش ہے ۔“ اس جواب پر طور معنی جھک کے حسین کے قدم چومنے لگا اور رقت و بدحواسی کی آواز میں بولا : ”رحم اے جوان آملی رحم !“

**حسین** : ہرگز نہیں ! تو ایک فتنہ ہے جس سے دنیا کو جہاں تک جلد ہو سکے خالی کرنا چاہیے ۔“

یہ کہہ کے حسین طور معنی کے سینے پر چڑھ بیٹھا ؛ تلوار زمین پر ڈال دی اور کمر سے خنجر نکال کے بولا : ”یہی وہ فدائیت کا خنجر ہے جو میری کمر میں بندھوایا گیا تھا ۔ اسی سے میں نے امام نصر بن احمد کے سے نیک نفس بزرگ کی جان لی تھی اور اسی سے آج تیرا ناپاک سینہ چاک کرتا ہوں ۔“

طور معنی کچھ کہنے کو تھا کہ حسین کا خنجر اس کے سینے کے اندر تیر گیا ۔ ایک ہی وار میں ایڑیاں رگڑ کے اس نے ایک آہ کے ساتھ جان دی اور حسین اپنی تلوار لے کے اٹھ کھڑا ہوا ۔ مگر اچھی طرح کھڑا نہیں ہونے پایا تھا کہ دیکھا کسی قدر فاصلے پر ہلاکو خاں کے قریب ہی ایک تاتاری شخص کسی ضعیف العمر بڈھے کو اسی کے عمامے سے باندھ کے کھینچ رہا ہے ۔ حسین دور سے دیکھتے ہی پہچان گیا کہ علی وجودی ہے ؛ بے اختیار دوڑا ہوا گیا اور پگڑی کو درمیان میں پکڑ کے چلایا : ”یہ میرا مجرم ہے ۔“

**تاتاری** : کیوں ؟ گرفتار میں نے کیا اور مجرم تمھارا ہو گیا ؟

حسین : ہاں ، اس لیے کہ میرا قدیمی مجرم ہے -“

اس جملے کے ساتھ ہی ہلاکو خاں نے بھی اس تاتاری کو اشارہ کیا کہ اس قیدی کو حسین ہی کے سپرد کر دے - حسین علی وجودی کو اسی طرح اُس کے عمامے سے کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا اور جب دیکھا کہ لوگوں کے ہجوم سے باہر نکل آیا تو عمامے کو ایک جھٹکا دے کے دریافت کیا : ”مجھے پہچانا ؟“

علی وجودی کچھ ایسی مایوسی و از خود رفتگی کی حالت میں تھا کہ اس وقت تک اُس نے دیکھا بھی نہ تھا کہ اس کے سر پر کیا گزر رہی ہے اور کس کے ہاتھ میں گرفتار ہے - حسین کی آواز سُن کے اس نے سر اُٹھایا اور پہچانتے ہی ایک دفعہ چلا اٹھا : ”آہا حسین ! مجھے تیری جستجو تھی - جب قلعہ التمونت سے تیرے نکالے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو مجھے بڑا صدمہ ہوا - افسوس! اگر تو میرے پاس چلا آتا تو اس طرح ناکام نہ رہتا -“

دراصل علی وجودی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ حسین اب اس کے عقائد کے خلاف ہے - اُسے خیال گزرا کہ یہ اب تک میرا معتقد ہے اور اسی وجہ سے مجھے تاتاریوں کے ہاتھ سے چھڑا کے یہاں لایا ہے -

حسین : (عقیدت کی شان سے اور عمامے کا سرا چھوڑ کے) مگر آپ کو تو غیب کی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں - آپ نے اپنی سیر لاہوتی میں بے شک دریافت کرلیا ہوگا کہ میں کن پہاڑوں اور گھاٹیوں میں سر ٹکراتا پھرتا تھا؟“

یہ سن کے علی وجودی نے حسین کو بدگمانی کی نظر سے دیکھا اور کہا : ”وہ سیر لاہوتی اسی وقت ہوتی ہے جب انسان توجہ قلبی سے کام لے - دراصل میں نے تیرا حال دریافت کرنے

کی جانب کبھی توجہ ہی نہیں کی تھی -"

**حسین :** مگر یہ امید نہ تھی کہ مجھ سے عقیدت کیش کو آپ بالکل چھوڑ دیں گے -

**علی وجودی :** اور حسین یہ فتنہ کیوں کر بپا ہوا ؟ یقین ہے کہ تجھے معلوم ہوگا ، اس لیے کہ تیرے کہنے سے تاتاریوں نے میری جان چھوڑ دی ؟

**حسین :** آپ کو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ؟ آپ کو ہر امر ایک ادنٰی توجہ قلبی سے معلوم ہوجاتا ہے -

**علی وجودی :** اتنا جاننے پر بھی تو عالم ارواح کے رموز سے ناآشنا ہے ؟ جن لوگوں کو ان رموز میں کمال حاصل ہوتا ہے انھیں کو کبھی اپنی خبر بھی نہیں رہتی - سنا نہیں کہ :

گہے بر طارم اعلٰی نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

**حسین :** رکن‌الدین خورشاہ نے مجھے جنت میں بھیجنے سے انکار کیا ، اپنے قلعے سے نکلوا دیا ،جس کے بعد مجھے مایوسی تھی اور عجب بے کسی کی حالت میں تھا - افسوس! اس وقت آپ نے بھی خبر نہ لی - مگر معاملہ دگرگوں ہونے والا تھا - تقدیر نے مجھے ایک اور شخص سے ملایا اور اب اُس کی برکت و رہبری سے میں جنت میں پہنچا اور زمرد کی ہم‌کناری نصیب ہوئی - افسوس! کہ اب میں آپ کے مریدوں سے نکل گیا اور اُس کے مریدوں اور معتقدوں میں شامل ہوں -

**علی وجودی :** وہ کون شخص ہے؟

**حسین :** تاتاریوں کا سردار ہلاکو خاں - اور اس کے شرائط بہت سخت ہیں -

علی وجودی نے یہ سنتے ہی سر سے پاؤں تک کانپ کے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا : "وہ شرائط کیا ہیں؟"

**حسین :** وہ یہ کہ آپ اور آپ کے سے جتنے مکار اور سیہ کار ملاحدہ ملیں ، ان کا سر تن سے اُڑا دوں -

**علی وجودی :** (سہم کے) اور ایسے ظالمانہ احکام کے بجا لانے میں تمھیں تامل نہیں؟

**حسین :** بالکل نہیں! اس کا سبق تو آپ ہی سے مل چکا ہے کہ مرید کو مرشد کے ہاتھ میں ایک بے جان آلے کی طرح رہنا چاہیے- ہر ظاہر کا ایک باطن ہے - اور اس کا باطن میرے مرشد کے نزدیک بہت ہی اچھا اور خدا کی درگاہ میں مقبول ہے -

علی وجودی نے شرما کے اور لاجواب ہو کے سر جھکا لیا اور کہا : "مگر جو کچھ ہو تمھیں رحم سے کام لینا چاہیے - ظلم خدا کو نہیں پسند ہو سکتا -"

اس جواب پر حسین کو بہت غصہ آیا مگر اس نے ضبط کر کے اپنے تئیں روکا اور کہا : "بے شک خدا کو ظلم نہیں پسند ہے ، اور اسی وجہ سے امام نجم الدین نیشا پوری کی روح آج تک پکار پکار کے کہہ رہی ہے کہ میرا خون علی وجودی کی گردن پر ہے - یہ سنتے ہی علی وجودی سر سے پاؤں تک کانپنے لگا ، اور تھوڑی دیر کے بعد جب اس کے دل کو ذرا سکون ہو لیا تو بولا : "مگر مجھ کو تمھارے ساتھ ایسے تعلقات رہ چکے ہیں کہ مجھے تم سے کسی بے رحمی کی امید نہیں -"

**حسین :** امام نجم الدین نیشاپوری سے زیادہ مجھے آپ سے تعلق

نہیں رہا ہے ؛ وہ میرے چچا تھے ، اُستاد تھے اور
مرشد تھے -

اب علی وجودی کو خوف نے اس کے اختیار سے باہر کردیا تھا ؛ وہ ایک دفعہ روتا ہوا حسین کے قدموں پر گرا اور چلایا : "رحم رحم!"

**حسین** : ہرگز نہیں! ہزارہا پاک اور مقدس روحیں فریاد کر رہی ہیں جو یقیناً اب تمھاری نظر کے سامنے ہوں گی اور تمھیں چاروں طرف سے دھمکا رہی ہوں گی -

اور بے شک علی وجودی کی اس وقت یہی حالت تھی- وہ بار بار چاروں طرف گھبرا گھبرا کے دیکھتا تھا اور ہر طرف اسے کسی اپنے ہی مظلوم کی تصویر چھریوں اور خنجروں سے دھمکاتی نظر آتی تھی -

عین اسی حالت میں جب کہ اُسے چاروں طرف چھریاں ہی چھریاں نظر آ رہی تھیں ، حسین نے اپنا خنجر کمر سے نکالا اور اس کی آنکھوں کے سامنے کرکے کہا :"یہی وہ خنجر ہے جو مجھے تم سے ملا تھا اورجو امام نجم‌الدین‌نیشاپوری اور امام نصر بن احمد کے سینوں میں خاص تمھارے حکم اور میرے ہاتھ سے تیر چکا ہے - یہ خنجر آج تک باقی ہے اور صرف اسی لیے کہ تمھارے سینے میں اور خاص میرے ہاتھ سے اُتر جائے - اسے اچھی طرح پہچان لو اور تیار ہو جاؤ کہ انتقام کا وقت آ گیا -

یہ کلمات سن کے علی وجودی پھر کانپ گیا اور رو رو کے کہنے لگا : "مجھے نہ مارو ، اب میں کبھی اس مذہب باطنیہ کی طرف داری نہ کروں گا -"

**حسین** : مگر تمھارا یہ عہد میرے دامن سے وہ خون کے دھبے نہیں چھڑا سکتا جو تمھاری سیہ کاریوں سے لگے ہیں -

یہ کہہ کے حسین نے علی وجودی کو زمین پر گرا دیا اور اس کے سینے پر چڑھ کے پھر اس کا خنجر اس کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا اور کہا: "دیکھ لو اور خوب پہچان لو کہ یہ وہی تمھارا خنجر ہے۔"

در حقیقت علی وجودی کی موت بہت بری موت تھی۔ اس وقت تمام گناہ طرح طرح کی بھیانک صورتوں کا جامہ پہن کے اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ہزار ہا مظلوم روحوں کو دیکھ رہا تھا جو خنجر دکھا دکھا کے اسے ڈرا اور دھمکا رہی تھیں۔ اس نے ان تمام چیزوں سے گھبرا کے آنکھیں بند کر لیں اور حسین سے کہا: "خدا کے لیے مجھے چھوڑ دے اور میری بے کسی پر ترس کھا!"

**حسین :** نہیں! جس کے دل میں خود ہی خدا کا خوف اور ترس نہیں، اس پر ترس آنا گناہ ہے۔

**علی وجودی :** تو کمبخت کہیں جلدی کام تمام کر؛ ان بلاؤں سے پیچھا چھوٹے جو مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔

**حسین :** میں فقط اتنے ہی کے لیے تامل کر رہا ہوں کہ تجھے موت کی نازک اور پر خطر گھڑی کا اچھی طرح مزا مل لے تو تیرا کام تمام کروں۔

اب علی وجودی بہت بے تاب تھا۔ حسین کے نیچے دبا ہوا تھا اور حسین اس کا دیا ہوا خنجر اس کی آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا تھا، جس کی ڈراؤنی صورت سے ڈر ڈر کے وہ اپنا منہ ادھر اُدھر ہٹا ہٹا لیتا تھا اور کہتا تھا: "خدا کے لیے اس چیز کو میری نظر کے سامنے سے دور کرو۔"

آخر بڑی دیر کے بعد جب حسین نے دیکھا کہ بہت دیر ہوگئی اور قریب قلعے کی ساری رعایا قتل ہوگئی تو

اس نے بھی خنجر بھونک کے اور آزار دے دے کے علی وجودی کا کام تمام کیا ۔ اپنے سب سے بڑے بہکانے والے سے یوں انتقام لے کے وہ پھر ہلاکوخاں کے قریب گیا ۔ اب تاتاریوں کے قتل کرنے کے لیے کوئی شخص نہ ملتا تھا ۔ اتنے بڑے قتل عام سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور وہ مجنونوں ، کتوں یا وحشی درندوں کی طرح ادھر آدھر دوڑتے پھرتے تھے کہ کوئی ملے تو اس کو قتل کر کے دل کا بخار نکالیں ۔ سوائے چند خاص کم سن اور حسین عورتوں کے جو لونڈیاں بنانے کے لیے بچا لی گئی تھیں قلعۂ التمونت میں کوئی شخص باقی نہیں رہا تھا ۔

اب خود فرماں روائے التمونت رکن‌الدین خورشاہ کی جستجو تھی ۔ لوگ دیر سے ڈھونڈھ رہے تھے اور کہیں پتا نہ لگتا تھا ۔ آخر ایک تاتاری کسی تہ خانے میں گھس کے اسے پکڑ لایا ۔ جیسے ہی وہ ہلاکو خاں کے سامنے لایاگیا اور تاتاری سالار فوج کے آگے سر جھکا کے کھڑا ہوا ، حسین نے جھپٹ کے ارادہ کیا کہ اپنے خنجر سے اس کا کام بھی تمام کر دے ، مگر ہلاکو خاں نے چلا کے روکا اور کئی مغلوں نے بڑھ کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ۔

**ہلاکو خاں :** یہ یہاں کا بادشاہ ہے اور بے کسی کی صورت بنا کے پناہ مانگتا ہوا آیا ہے ، لہٰذا اس کی جان بخشی کرنی چاہیے ۔

**حسین :** حضور ! اگر یہ بچ رہا تو دنیا میں بہت بڑا فتنہ رہ جائے گا ۔ یہ ساری سازشیں اور تمام خرابیاں اسی کی ذات سے تھیں ۔

**ہلاکو خاں :** اب وہ سازش کرنے والے ہی نہیں رہے تو یہ

کیا کر لے گا ۔ سب کیاد و فریبی خاک و خون میں لوٹ رہے ہیں ۔ یہ ایک نا تجربہ کار نوجوان دنیا کو ضرر نہیں پہنچا سکتا ۔

**حسین :** ایسا نہیں ہے کہ کوئی معتقد نہ رہا ہو ؛ مصر و شام سے لے کے سندھ تک ہر جگہ اس کے معتقد پھیلے ہوئے ہیں ۔

**ہلاکو خان :** میں ان مقامات میں بھی جاؤں گا اور اس کے معتقدین سے دنیا کو خالی کر دوں گا ۔ مگر اس کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ جلا وطن کر دیا جائے ۔

اس کے بعد اُس نے خور شاہ کی طرف دیکھ کے کہا : ”بے شک تمھارا فتنہ بہت بڑا تھا ، مگر اُس بے کسانہ خموشی پر ترس کھا کے تمھاری جان بچائی جاتی ہے ۔ مگر اس کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے کہ ترکستان میں ، جہاں تم کو کوئی مرید و معتقد نہ مل سکے گا ، جا کے اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن بسر کرو ۔ یہ جتنی عورتیں یہاں ہیں ، ان میں سے کوئی تمھیں نہ دی جائے گی ۔ ممکن ہے کہ اس کے ذریعے سے پھر تمھارا فساد دنیا کو فریب دینے لگے ۔ ترکستان میں جا کے تمھیں اختیار ہے کہ چاہنا تو کسی تاتاری لڑکی سے عقد کرلینا ۔

اس حکم کے ساتھ ہی ایک مغلئی دستے نے اسے اپنی حراست میں کر لیا ۔ جس نے التمونت کے آخری تاج دار کو بحر خزر کے اس پار ترکستان کے کسی گم نام گاؤں میں پہنچا دیا ۔ اور یہاں جب قلعہ آدمیوں سے خالی ہوگیا تو تاتاری لٹیرے دولت لوٹنے ، محلوں کے کھودنے اور آگ لگانے

میں مشغول ہوگئے۔ محل اور جنت میں ہر جگہ آگ لگا دی گئی۔ وہ قصر اور کوشکیں کھود کھود کے زمین کے برابر کر دی گئیں اور باغ اور محل جو جنت بنے ہوئے تھے اور جنت ہی سمجھے جاتے تھے، محض مٹی اور اینٹوں کے ڈھیر رہ گئے اور تاتاریوں نے آناً فاناً انھیں ایسا کر دیا کہ نہ کوئی رہنے والا تھا اور نہ رونے والا۔

حسین اپنے دل کی آگ بجھا کے اور انتقام لے کے جب زمرد کے قریب گیا تو وہ نہایت ہی پریشان اور بدحواس تھی۔ وفا کیش معشوقہ کو اس قدر پریشان دیکھ کے اُس نے پوچھا: "زمرد! اب پریشانی کس بات کی؟"

**زمرد** : (رونی آواز میں) اتنا قتل عام، ایسی خون ریزی ہوچکی اور پوچھتے ہو پریشانی کس بات کی؟

**حسین** : ان ظالموں کی تباہی پر خوش ہونا چاہیے یا غمگین؟

**زمرد** : تم خوش ہو لو، جس کا دل خدا نے پتھر کا بنایا ہے۔ ایسا وحشت ناک سماں دیکھنا کیا معنی، کبھی میرے خیال میں بھی نہ گزرا تھا۔ میں ایسی حالتوں کے دیکھنے کی عادی نہیں ہوں۔

**حسین** : خیر اب بتاؤ کیا ارادہ ہے؟

شاہزادی بلغان خاتون قریب کھڑی تھی، یہ جملہ سنتے ہی پاس آئی اور بولی: "ارادہ کیا! اب تم دونوں میرے ساتھ چلو۔ زمرد کو اپنی بہن سے زیادہ عزیز رکھوں گی اور تم کو بھی کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔"

**زمرد** : نہیں شاہزادی! ہم دونوں نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں۔ حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے تھے، تقدیر نے ان مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔ اب ہمارا فرض ہے

کہ پہلے حج کر لیں تو پھر اور کوئی کام کریں - اگر
زندگی باقی ہے تو یہ فرض ادا کر کے ہم دونوں وہیں
قراقرم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے -
میں جب تک وہاں خاص خانۂ خدا میں اپنے لیے
دعاے مغفرت نہ کروں گی ، اس وقت تک یہ ندامت
نہ مٹے گی جو ہر وقت دل میں موجود رہتی ہے اور
کوئی وقت نہیں گزرتا کہ نہ ستاتی ہو -

**حسین :** بے شک زمرد کا کہنا ٹھیک ہے - میرا دل ہمیشہ
مجھ پر لعنت کیا کرتا ہے ؛ شاید وہاں جا کے اور
اس مقدس مقام میں دعا کر کے یہ بات دور ہوجائے -

**بلغان خاتون :** کیوں کر کہوں ، دل تو نہیں چاہتا کہ تم کو
جدا کروں ، مگر اب تم کو اصرار ہے اور مکے جانے
کو اپنا فرض سمجھتے ہو تو مجھے روکنا بے فائدہ
معلوم ہوتا ہے - لیکن میری ایک بات مان لو -

**زمرد :** جو حکم ہو ، آپ کا ہر حکم بجا لانا ہمارا فرض ہے -

**بلغان خاتون :** تم دونوں باہم عقد کرنے کی غرض سے گھر سے
نکلے تھے ؛ میں چاہتی ہوں کہ جدا ہونے سے پہلے تم
دونوں کا عقد کر دوں تاکہ وطن واپس جانے کے قبل
ہی مجھے معلوم ہوجائے کہ تم دونوں میں باہمی اتفاق
کی صورت پیدا ہو گئی اور یہ بات یاد کر کے میں
اپنا دل خوش کر لیا کروں کہ تمھاری آرزوئیں میرے
ہی ہاتھ سے پوری ہوئیں -

یہ ایسی درخواست نہ تھی جس سے کسی کو انکار ہوتا ،
حسین نے تو صاف الفاظ میں رضا مندی ظاہر کی ، مگر زمرد
مسکرائی اور ایک شرم کی آواز سے سر جھکا کے بولی : ”اب میں

آپ کی لونڈی ہوں اور جو حکم ہو اُس سے انکار نہیں کرسکتی۔"

دوسرے دن علی‌الصباح ہلاکو خاں نے فتح کی خوشی میں اور مال غنیمت تقسیم کرنے کے لیے بڑا بھاری جشن کیا، جس کے لیے فوج کے معزز افسروں کی ایک محفل مرتب کی گئی۔ گزشتہ فتح پر بڑے جوش و خروش سے اظہار مسرت کیا گیا، اور اسی کامیابی و ظفر کی یادگار میں بلغان خاتون کی درخواست اور ہلاکو خاں کے حکم سے شیخ نصیرالدین طوسی سے محقق زمانہ اور علامۂ روزگار نے، جن کی تاتاریوں میں بڑی قدر و منزلت تھی اور جو اس موقع پر موجود تھے، حسین اور زمرد کا نکاح پڑھایا۔

اس کارروائی کے بعد سب آپس میں رخصت ہوئے۔ بلغان خاتون نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قراقرم کا راستہ لیا۔ ہلاکو خاں نے اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ آذربائیجان کی طرف کوچ کیا۔ حسین اور زمرد پھر اسی شان سے جس طرح پہلے گھر سے نکلے تھے، ارض حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ اور التمونت کے کھنڈروں اور اُن کی تمام لاشوں پر صرف گدھوں اور مردار خوار طیور کے بڑے بڑے غول چھوڑ دیے۔

زمرد اور حسین نے مکۂ معظمہ میں پہنچ کے اور غلاف کعبہ پکڑ کے نہایت ہی رقت قلب اور جوش دل سے مغفرت کی دعا مانگی کہ: "بار اِلٰہا! ہمیں تمام گناہوں سے نجات دے! اگرچہ ہم نے تیری نافرمانیاں کیں، تیرے مقبول و بے گناہ بندوں کی جانیں لیں، مگر ایک بڑے فریب میں مبتلا تھے۔ شیطان کا ہم پر اس قدر تصرف تھا کہ گناہوں کی برائیاں نظر میں نہ آتی تھیں۔ ہم نے گناہ کیے مگر ثواب سمجھ کے، ہمارے قدم کو لغزشیں ہوئیں مگر ایک بڑے فریب میں مبتلا ہو کے۔ تو عالم‌الغیب ہے، دلوں کی باتیں جانتا ہے؛ ہماری بے کسی

و بے بسی کو دیکھ اور ان سخت گناہوں سے درگزر !" اس طرح گناہوں کا زنگ دل سے مٹا کے واپس روانہ ہوئے ۔ چند روز اپنے وطن شہر آمل میں رہے اور باقی ماندہ زندگی قراقرم میں جا کے شہزادی بلغان خاتون کی صحبت میں صرف کر دی ۔

تمت بالخیر

---

۱ - کتاب کے صفحہ ۱۵۵ پر منقو کو چغتائی کا بیٹا کہا گیا ہے ۔ منکوقاآن یا منگو ، چنگیز کے چھوٹے بیٹے تولی کا فرزند ہے ۔ اور اوکتائی یا اغتائی یا اغدائی خلف چنگیز خان کے بعد خاقان بنا ۔ روضۃ الصفا جلد پنجم مطبوعہ مطبع نول کشور طبع چہارم ۱۹۰۵ع میں منکوقاآن نام ملتا ہے اور یہ تولی [یا تولوئی] ابن چنگیز کا (جو چنگیز خان کا چھوٹا بیٹا تھا) بیٹا ہے ۔کیوک خاں خلف اغتائی خان کے بعد جانشین مملکت چنگیز خان ہوا ۔ شرر کا یہ کہنا کہ منقو [منکو یا منگو] چغتائی کا بیٹا ہے ، درست نہیں ۔

۲ - صفحہ ۱۷۰ پر منقو خان کو بلغان خاتون کا ابن عم کہا گیا ہے ۔ بلغان خاتون کا نام تاریخ میں نظر نہ آیا ۔ بلغان خاتون کو چغتائی خان کی بیٹی ظاہر کیا گیا ہے ۔ اس طرح وہ منکو خان ، قبلائی خان ، ہلاکو خان (پسران تولی خان) کی چچا زاد بہن ہو سکتی ہے ۔ غالباً شرر کا یہ کردار فرضی ہے ۔

۳ - صفحہ ۱۷۶ پر تولی خان چنگیز خان کا چھوٹا بیٹا اور منگو خان کا باپ ہے ۔ شرر کو تسامح ہوا ہے ۔

تفصیلات کے لیے دیکھیے :

۱ - روضۃ الصفا : جلد پنجم مطبع نول کشور صفحات ۱۴ تا ۷۵ ۔
۲ - تاریخ اسلام جلداول(عمدۃالکلام فی تاریخ اساطین الاسلام): صفحہ ۱۰۵ از ذاکر حسین جعفر ، مطبوعہ جے ، اینڈ سنز پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۱۸ع ۔
۳ - چنگیز خان : از ہیرلڈ لیم مترجم عزیز احمد ناشر مکتبۂ جدید صفحات ۲۱۵ تا ۲۱۹ ۔
۴ - تاتاریوں کی یلغار، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز صفحات ۸۸ تا ۲۱۷ ۔

بست ہیں کہ باطنیوں نے ایک فردوس بریں بنائی تھی -
ں فردوس بریں میں بے شمار حسین عورتیں حور بنا کر
رکھی گئی تھیں - یہ جنت قلعہ التمونت سے ملحق تھی-
وہ ایک طرف تو شاہ التمونت کی عیش گاہ تھی اور دوسری
طرف باطنی فدائیوں کو گرویدہ کرنے اور زیادہ معتقد بنانے
کے لیے ایک طلسم کا کام دیتی تھی - یہ بھی صحیح ہے
کہ باطنی ملاحدہ برابر ایسے لوگوں کو قتل کرواتے رہتے
تھے جو ان کے عقائد کے خلاف تبلیغ کرتے تھے - ان میں
علما اور حکمران دونوں شامل تھے - اس کے علاوہ یہ
بھی درست ہے کہ اس فتنے کا خاتمہ ہلاکو خاں کے ہاتھوں
ہوا ، جو اس لیے قلعہ التمونت پر حملہ آور ہوا تھا کہ
باطنیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر خلیفۂ بغداد اور
شہر قزوین کے معزز لوگوں نے تاتاریوں کے شہنشاہ
(منقو خاں) کو لکھا تھا کہ وہ باطنیوں کا استیصال کرکے
لوگوں کو اس عذاب سے نجات دلائے -"

مجلس کی طرف سے فردوس بریں کا یہ دوسرا ایڈیشن
شائع ہورہا ہے - پہلا ایڈیشن رسالہ دل گداز کے فائل سامنے
رکھ کر مرتب کیا گیا تھا ؛ زیر نظر ایڈیشن نسخہ
مطبوعہ قومی پریس دہلی (۱۳۲۱ھ) کے مطابق ہے - یہ
نسخہ مصنف کی نظر ثانی کے بعد کتابی صورت میں شائع
ہوا تھا -

مجلس ترقی ادب لاہور